مجلس ادارت

۱۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی   ۲۔ ڈاکٹر نذیر احمد

۳۔ پروفیسر خلیق احمد نظامی   ۴۔ ضیاء الدین اصلاحی

معارف کا زرتعاون

ہندوستان میں سالانہ ساٹھ روپے   فی شمارہ پانچ روپے

پاکستان میں سالانہ ایک سو پچاس روپے

دیگر ممالک میں سالانہ ہوائی ڈاک پندرہ پونڈ یا چوبیس ڈالر

بحری ڈاک پانچ پونڈ یا آٹھ ڈالر

پاکستان میں ترسیل زر کا پتہ: حافظ محمد یحییٰ شیرستان بلڈنگ

بالمقابل ایس ایم کالج۔ اسٹریچن روڈ۔ کراچی

- سالانہ چندہ کی رقم منی آرڈر یا بینک ڈرافٹ کے ذریعہ بھیجیں، بینک ڈرافٹ درج ذیل نام سے بنوائیں:

DARUL MUSANNEFIN SHIBLI ACADEMY AZAMGARH

- رسالہ ہر ماہ کی ۱۵ تاریخ کو شائع ہوتا ہے، اگر کسی مہینہ کے آخر تک رسالہ نہ پہونچے تو اس کی اطلاع اگلے ماہ کے پہلے ہفتہ کے اندر دفتر معارف میں ضرور پہونچ جانی چاہیے، اس کے بعد رسالہ بھیجنا ممکن نہ ہوگا۔
- خط و کتابت کرتے وقت رسالے کے لفافے کے اوپر درج خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں۔
- معارف کی ایجنسی کم از کم پانچ پرچوں کی خریداری پر دی جائے گی۔

کمیشن ۲۵٪ ہوگا ——— رقم پیشگی آنی چاہیے۔

جلد ۱۵۲ ماہ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۴ھ مطابق ماہ نومبر ۱۹۹۳ء عدد ۵

مضامین

علامہ شبلی کی دو کتابوں کے نئے اڈیشن

الفاروق: بعض خود غرض اور طمع پسند ناشرین دارالمصنفین کی اجازت کے بغیر بھی اس بیش قیمت کتاب کا معمولی اور سستا اڈیشن شائع کر کے فروخت کر رہے تھے۔ اب دارالمصنفین نے نیا اور خوبصورت اڈیشن شائع کیا ہے۔ اندرونی صفحات میں مکمل اشتہار ملاحظہ ہو۔   قیمت ۹۵ روپے

علم الکلام: یہ کتاب بھی عرصہ سے ختم ہوگئی تھی اس کا نیا اڈیشن بھی جلد طبع ہو جائے گا۔ اس کے دوسرے حصہ الکلام کی قیمت ۵۰ روپے ہے۔

شذرات

آنے والا وقت انسان کے درد والم کو زائل کر دیتا ہے اور ع رنج کا خوگر ہوا انسان تو مٹ جاتا ہے رنج۔
لیل و نہار کی کروٹیں افراد ہی کی طرح اقوام کا بار غم بھی ہلکا اور انکے مصائب و آلام کو آسائشوں اور آسانیوں میں تبدیل کر دیتی ہیں، لیکن تقسیم کے بعد مسلمانوں پر جو بحرانی اور آزمائشی دور آیا وہ ختم نہیں ہو رہا ہے بلکہ ہر نیا دن ایک نئی اور تازہ مصیبت لیکر طلوع ہوتا ہے، چالیس اور پچاس برس کے عرصہ میں گوناگوں تبدیلیاں ہوئیں اور متعدد انقلاب رونما ہوئے مگر مسلمانوں کی شب تاریک سحر نہ ہو سکی اور وہ حسرت سے یہی کہتے رہے ہے

سہیل اب پوچھنا ہے انقلاب آسمانی سے ہماری شام غم کی بھی کبھی ہوگی سحر پیدا

مصائب و مشکلات کا یہ سلسلۂ دراز اغیار کی سازشوں اور ریشہ دوانیوں سے زیادہ خود مسلمانوں کی غلط روی اور بدتدبیری کا نتیجہ ہے جس کی بنا پر وہ کسی طرح اس بھنور سے نکلنے میں کامیاب نہیں ہو رہے ہیں جس میں جا پھنسے ہیں کیونکہ جب کسی قوم کو خود اپنے حالات و معاملات کی اصلاح اور اعمال و کردار کو درست کرنے کی فکر نہیں ہوتی تو اللہ تعالیٰ بھی اس پر لطف و عنایت کی نظر نہیں کرتا۔
حقیقت یہ ہے کہ دین و ایمان سے مسلمانوں کا تعلق محض برائے نام رہ گیا ہے اور وہ خود ہی اپنی خصوصیات و امتیازات سے دستبردار ہوتے جا رہے ہیں، اپنے عقیدہ و مذہب سے انکی اس بیگانہ وشی اور بے حسی نے دوسروں کو مزید گل کھلانے کا موقع دیدیا ہے اور انکے حوصلے اس قدر بڑھا دیے ہیں کہ وہ مسلمانوں کی شناخت ہی مٹا دینا چاہتے ہیں۔

ہندوستان کے بدلے ہوئے حالات میں مسلمانوں کو دین و ایمان سے وابستہ رکھنے اور انکی خصوصیات و امتیازات کو باقی رکھنے کی جو کوششیں کی جاتی رہی ہیں ان کا خاطر خواہ نتیجہ نہیں نکلا۔ دینی و ملی خدمت کرنے والی تحریکیں اور تنظیمیں یا تو عام مسلمانوں کی غفلت اور بے حسی کا شکار ہو گئیں یا انکے "خاص مہربانوں" کی کرمفرمائی سے قائدوں اور کارکنوں میں بددلی، اختلاف و نفاق پیدا

ہو گیا جس کے بعد نہ ان میں دین و ملت کی خدمت کا ولولۂ صادق باقی رہا اور نہ مسلمانوں کی سربلندی کا جذبہ، بلکہ وہ مختلف ٹکڑوں میں بٹ کر ایسے متحارب گروہ بن گئے جنھیں ایک دوسرے کی ہوا خیزی اور نیچا دکھانے کے سوا کسی اور چیز سے واسطہ ہی نہیں رہ گیا، جو تحریکیں سخت جان ثابت ہوئیں وہ بھی مسلمانوں کی بے پروائی اور عدم تعاون کی بنا پر اس قدر غیر موثر رہیں کہ انکا وجود و عدم برابر تھا۔
آزادی کے بعد مسلمانوں کو انکے دینی و ثقافتی ورثے سے الگ کر دینے کے لیے تعلیم کی راہ سے انکے بچوں کے خام ذہنوں میں دیومالائی تصورات راسخ کرنے اور ان پر مخصوص عقیدہ و مذہب کی چھاپ ڈالنے کا منصوبہ بنایا گیا جو دراصل معنوی ارتداد اور ذہنی و تہذیبی نسل کشی کے مترادف تھا اسکے تدارک اور مسلمانوں کی نسل کو اس کے اثر سے محفوظ رکھنے کے لیے مشہور قوم پرور مسلمان رہنما قاضی محمد عدیل عباسی مرحوم نے ۱۹۵۹ء میں اترپردیش دینی تعلیمی کونسل قائم کی اور صوبہ کے گوشہ گوشہ میں دینی مکاتب کا جال بچھا کر وقت کی ایک اہم ضرورت پوری کی۔ گو اس تحریک کی شاخیں دوسرے صوبوں میں بھی قائم ہو گئی ہیں۔ لیکن اس کو اتار چڑھاؤ کے مراحل درپیش ہیں حالانکہ حالات پہلے سے زیادہ بدتر ہیں، تاریخ کو مسخ کرنے، ریاضی کو ویدک رنگ میں رنگنے اور اداروں کے اقلیتی کردار کو تسلیم نہ کیے جانے کی کارروائی شروع ہو گئی ہے اس لیے اس تحریک کو فعال اور موثر بنانا ناگزیر دینی و ملی فریضہ ہے چاہے اس کے لیے کتنی ہی قربانی کیوں نہ دینی پڑے، وقت کے اس چیلنج کو نظر انداز کر کے غفلت، بے حسی، خود فراموشی اور عافیت کوشی میں پڑے رہنا قومی جرم ہے۔

اسی مقصد سے دینی تعلیمی کونسل کا کل ہند کنونشن دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں ۱۰ نومبر کو ہوا جس میں اترپردیش کے علاوہ دوسری ریاستوں کے نمایندے بھی شریک ہوئے، جناب سید حامد نے افتتاحی خطبے میں ملک کے خطرناک حالات و رجحانات سے مسلمانوں کو متنبہ کیا اور انہیں متحد و منظم ہو کر تعلیمی پسماندگی دور کرنے اور دینی تعلیمی تحریک کو موثر بنانے پر زور دیا اور دینی مدارس کی قدر و قیمت بتاتے ہوئے ان کے نظم و نسق کو درست کرنے اور انکے نصاب میں عصری مضامین داخل

کرنے کی تلقین کی تاکہ علماء موجودہ حالات سے باخبر ہوں، کونسل کے صدر محترم حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے اپنے خطبۂ صدارت میں دینی تعلیمی تحریک کا پس منظر اور اسکی سرگزشت بیان کرتے ہوئے اس زمانے میں اور زیادہ اس کی ضرورت و اہمیت واضح کی کیونکہ ذہنی ارتداد اور تہذیبی نسل کشی کا سدِّباب اسی سے ہوسکتا ہے، پروفیسر اکبر رحمانی کا مفید مقالہ بھی پسند کیا گیا جس میں مہاراشٹر کے تعلیمی اداروں کے حالات کا مقابلہ اترپردیش کے حالات سے کیا گیا تھا۔ اجلاس میں مفید تجویزیں بھی منظور کی گئیں اور تنظیم کی کارکردگی کو بہتر بنانے اور سرکاری نصاب میں شامل مسموم مواد کے اخراج کی مناسب صورتوں پر بھی غور کیا گیا۔

شریعت و شعائر اسلامی کے بقاو تحفظ کے لیے ۱۹۷۳ء میں آل انڈیا مسلم پرسنل لا کا قیام عمل میں آیا تھا، اس نے دین و ملت کی ناقابلِ فراموش خدمات انجام دی ہیں، موجودہ سنگین صورتحال اور ملت اسلامیہ کو درپیش گوناگوں خطرات متقاضی ہیں کہ مسلمان بورڈ کے اہم اور مبارک مقاصد کی تکمیل کے لیے اس کا مکمل تعاون کریں، گزشتہ ماہ ۹ و ۱۰ اکتوبر کو جامعۃ الہدایۃ جے پور میں اس کا گیارہواں اجلاس منعقد ہوا جس میں ہندوستان کی اکثر ریاستوں کے ممتاز علماء و دانشور، سیاسی رہنما اور قانون کے ماہرین شریک ہوئے، اس میں مسلمانوں کے معاشرتی و عائلی قوانین اور دوسرے ضروری امور و مسائل کے بارے میں اہم اور مناسب فیصلے کیے گئے جن پر فرقہ پرست عناصر اور قومی پریس بلاوجہ چیخ و پکار مچائے ہوئے ہے۔

---

۳۱ اکتوبر کو آل انڈیا میر اکاڈمی لکھنؤ کا سالانہ جشن اور تقسیم اعزازات کا یادگار جلسہ ہوا جس میں ملک کے ہر حصہ کے ادیبوں اور شاعروں نے بڑی تعداد میں شرکت کی اور ایوارڈ حاصل کیے، خواتین اہلِ قلم کو بھی اعزاز دیے گئے جن کا جلسہ علیحدہ زنانخانے میں ہوا، اول الذکر کی نظامت جناب نیاز قوی نے اور موخرالذکر کی قمر جہاں صاحبہ بنارس ہندو یونیورسٹی نے کی۔

مقالات

علامہ شبلیؒ کی شعر فہمی اور شعر العجم کا ایک مطالعہ

از ضیاء الدین اصلاحی

(۲)

اب آیئے ان کی شعر فہمی کے کمال کا دوسری حیثیت سے جائزہ لیا جائے۔

ترکیبوں کے معنی اور وسیع خیال کا اختصار

علامہ نے اشعار کا ترجمہ اور تشریح کرنے کے ضمن میں اکثر ترکیبوں کے معنی بتائے ہیں اس سے شعر کی گرہیں بھی کھل جاتی ہیں اور دوسرے متعدد نکتے بھی ہاتھ لگتے ہیں، وہ فارسی زبان کی سیکڑوں ایسی ترکیبیں بتاتے ہیں جن کی بدولت انہیں بہت بڑے وسیع، نازک اور رنگین خیالات نہایت لطافت کے ساتھ ادا ہوئے ہیں، بعض جگہ اس طرح کی ترکیبوں کو لاکر شاعر نے ایک بہت وسیع خیال کو بہت اختصار کے ساتھ ادا کر دیا ہے مثلاً ارباب ہوس اکثر کسی معشوق سے دل لگاتے ہیں تاہم بہت ربط نہیں بڑھاتے کہ دنیا کے کاروبار سے جاتے رہیں، لیکن معشوق دلفریبی کے غرور میں مطمئن ہے کہ بچ کر کہاں جاسکتا ہے اس واردات کو ایک شاعر ادا کرتا ہے

به دورگردی من از غرور می خندد   حریف سخت کمانے که در کمیں دارم

"دورگردی" کے معنی الگ کتراتے پھرنے کے ہیں، "سخت کمان" وہ شخص جس کا نشانہ دور تک جاتا ہے۔ "درکمین بودن" کے معنی گھات میں بیٹھنے کے ہیں، شعر کا مطلب یہ ہے کہ میں جو کترایا پھرتا ہوں تو معشوق ہنستا ہے کہ مجھ سے بچ کر کہاں جاسکتا ہے، اس شعر میں

دور گردی اور سخت کمان نے ایک وسیع خیال کو اس اختصار کے ساتھ ادا کر دیا[1]

ہلاک طرز آں بیگانہ خوی آشنا رو یم — کہ با ایں بے وفائیہا وفا دار است پنداری

"آشنارو" وہ شخص جس کے دل میں محبت کا کچھ اثر نہ ہو لیکن چہرہ سے محبت ظاہر ہوتی ہو اور شعر کا مطلب یہ ہے کہ میں اس معشوق پر مرتا ہوں جس کی آشنا روئی کا اثر یہ ہے کہ واقع میں بیوفا ہے، لیکن دھوکا ہوتا ہے کہ باوفا ہے اس خیال کو "بیگانہ خو" اور "آشنا رو" ان دو الفاظ نے کس خوبی کے ساتھ ادا کیا ہے[2]

فغان از قاصدان بے تصرف — زخود یک بار پیغامے نہ سازند

"بے تصرف" وہ قاصد جو اپنی طرف سے کچھ گھٹاتے بڑھاتے نہیں، بلکہ جو کچھ سُنا اس کو بے کم و کاست آکر ادا کر دیا، مطلب یہ ہے کہ میں بے تصرف قاصد سے نالاں ہوں، معشوق نے کوئی تسلی بخش بات نہیں کہی تھی تو قاصد کو چاہیے تھا کہ اپنے دل سے گھڑ کر کوئی بات بناتا کہ کسی طرح سے میرا دل خوش تو ہو جاتا[3]

چہ خوش ست باد و یک دل سر حرف باز کردن — کلمہ گزشتہ گفتن سخن دراز کردن

اثر عتاب بردن ز دل ہم اندک اندک — بہ بدیہہ آفریدن بہ بہانہ ساز کردن

علامہ فرماتے ہیں اعتراض کے جواب میں جھٹ پٹ بات گھڑ لینے کو "بدیہہ آفریدن" کہتے ہیں شعر کا مطلب یہ ہے کہ وہ بھی کیا لطف کا موقع ہوتا ہے جب دو دوست اکٹھے ہوتے ہیں ایک پرانے گلے کر رہا ہے اور بات کو طول دیتا جاتا ہے، دوسرا اس ناراضی کو اس طرح آہستہ آہستہ دل سے مٹاتا ہے کہ ہر شکایت کے جواب میں جھٹ پٹ کوئی معقول عذر گھڑتا جاتا ہے[4]

---

[1] شعر العجم ج ۴ ص ۱۹۱ و ۱۹۲ و ج ۳ ص ۲۳ [2] ایضاً ج ۴ ص ۱۹۲ [3] ایضاً [4] ایضاً۔

قمریان پاس غلط کردہ خود می دارند — ورنہ یک سرو دریں باغ بہ اندام تو نیست

"پاس غلط کردہ داشتن" کے معنی ہیں کہ کوئی شخص ناواقفیت سے کوئی غلط بات کہہ جائے اور واقف ہونے کے بعد بھی اپنی بات کی پچ کرتا رہے، شعر کا مطلب یہ ہے کہ قمریوں نے غلطی سے کہدیا تھا کہ سرو معشوق کے قد کا ہمسر ہے، اب ان کو اپنی غلطی معلوم ہو گئی لیکن بات کی پچ کرتی ہیں ورنہ یہ ظاہر ہے کہ کوئی سرو معشوق کے اندام کی ہمسری نہیں کر سکتا، اس شعر میں "پاس کردہ خود داشتن" نے ایک وسیع مضمون کو مختصر لفظوں میں ادا کر دیا[1]

با آفتاب از آں ذرہ را در اندازند — کہ عذر مردم کاہل بہ ناکسی نہ نہند

در انداختن لڑا دینا عذر نہادن معذور رکھنا، شعر کا مطلب یہ ہے کہ فطرت ذروں کو اس لیے آفتاب سے لڑواتی ہے کہ کوئی کاہل آدمی یہ عذر نہ پیش کرے کہ "میں ہیچ آدمی ہوں کیا کر سکتا ہوں کیونکہ ذرہ سے بڑھ کر کون ہیچ ہوگا لیکن وہ آفتاب سے کشتی لڑتا ہے، ذرے جو آفتاب کی روشنی میں چمکا کرتے ہیں، اس کو آفتاب سے لڑنا قرار دیا ہے، گویا وہ آفتاب کو اپنی چمک دمک دکھاتے ہیں اور درخشندگی میں آفتاب کا مقابلہ کرتے ہیں[2]

واقعہ کے بعض اجزا کو چھوڑ کر وسیع مضمون کو مختصر کر دینا

علامہ کا نکتہ شناس اور شعر فہم ذہن کہیں اس حقیقت کو واشگاف کرتا ہے کہ کسی شے کے تمام اجزا کی محاکات ہر جگہ ضروری نہیں، شاعر اکثر کوئی واقعہ یا سماں باندھتا ہے اور تمام حالات کا استقصا نہیں کرتا، لیکن چند ایسی خصوصیات کو جو نمایاں ہوتی ہیں ادا کر دیتا ہے کہ پورا واقعہ یا پورا سماں

---

[1] شعر العجم ج ۴ ص ۱۹۳ [2] ایضاً ص ۲۰۲۔

آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے مثلاً

بنفشہ طرۂ مفتول خود گرہ میزد   صبا حکایت زلف تو در میاں انداخت

علامہ فرماتے ہیں کہ شعر کا اصل مطلب صرف اس قدر ہے کہ بنفشہ معشوق کی زلف کا مقابلہ نہیں کر سکتی، اس کو شاعرانہ انداز میں اس طرح ادا کیا ہے کہ گویا بنفشہ ایک معشوق ہے، وہ اپنی زلفیں آراستہ کر رہی تھی اور اپنی اداؤں پر نازاں تھی کہ اتفاقاً کسی طرف سے صبا (جس کو ایک تماشائی عورت فرض کیا ہے) آنکلی اس نے معشوق کی زلفوں کا ذکر چھیڑ دیا، دفعۃً بنفشہ شرما کر رہ گئی۔

علامہ کہتے ہیں بنفشہ کا شرما جانا شعر میں مذکور نہیں اور اس تمام منظر میں وہی واقعہ کی جان ہے لیکن حالت کا سماں اس طرح کھینچا ہے کہ شرما جانا خود بخود لازمی نتیجہ کے طور پر پیش نظر ہو جاتا ہے[1]

فغانی کا شعر ہے:۔

اے کہ می گوئی چرا جامے بہ جانے می خری   ایں سخن با ساقی ما گو کہ ارزاں کردہ است

علامہ فرماتے ہیں کہ ایک بہت وسیع مضمون کو پیچ دیکر مختصر لفظوں میں ادا کیا ہے، واقعہ یہ فرض کیا ہے کہ ایک بادہ نوش نے شراب خانہ میں جا کر جان کے عوض میں جام شراب خریدا، کسی نے اعتراض کیا کہ تم نے یہ کیا کیا؟ معترض کا اعتراض یہ تھا کہ شراب اس قدر گراں کیوں خریدی لیکن بادہ نوش یہ سمجھا کہ اعتراض اس پر ہے کہ اس قدر ارزاں کیوں خریدی (یہ اس لحاظ سے کہ بادہ نوش کے نزدیک تو شراب کی قیمت جان سے بہت بڑھ کر ہے) اس بنا پر بادہ نوش نے جواب دیا کہ اس کو میں کیا کروں یہ تو ساقی

[1] شعر العجم ج ۴ ص ۲۰

سے پوچھنے کی بات ہے کہ اس نے شراب کو اس قدر کیوں ارزاں کر دیا (شعر العجم ج ۵ ص ۵۹ و جلد ۳ ص ۲۶)

فغانی کا ایک شعر اور ہے جس میں ایک بڑے وسیع خیال کو مختصر لفظوں میں ادا کیا ہے۔

ساقی مدام بادہ بہ اندازہ می دہد   ایں بیخودی گناہ دل زود مست ماست

علامہ رقمطراز ہیں شعر کا مطلب یہ ہے کہ ہم شراب پی کر بدمست ہو گئے، اس پر لوگوں نے اعتراض کیا کہ یہ ساقی کا قصور ہے اس نے کیوں اعتدال سے زیادہ شراب پلا دی لیکن یہ اعتراض صحیح نہیں، ساقی نے اعتدال ہی سے شراب پلائی تھی، قصور ہے تو ہمارے دل کا ہے جو بہت جلد مست ہو جاتا ہے، اس وسیع خیال کو دو مصرعوں میں ادا کیا ہے اور مضمون کے متعدد ٹکڑے چھوٹ گئے ہیں (شعر العجم ج ۵ ص ۶۰)

مخالف پہلو دکھانا | علامہ ایک نکتہ یہ بیان کرتے ہیں کہ بعض اوقات مخالف پہلو دکھانے سے محاکات کی تکمیل ہوتی ہے، اکثر کسی حالت کے زیادہ نمایاں کرنے میں یہ طریقہ کام دیتا ہے، مثلاً فردوسی کا شعر ہے۔

برہنہ دواں دخت افراسیاب   بر رستم آمد دو دیدہ پر آب

ترجمہ یہ کیا ہے کہ افراسیاب کی بیٹی ننگی رستم کے پاس دوڑتی اور روتی آئی اور تشریح یہ کی ہے کہ منیژہ افراسیاب کی بیٹی تھی جو بیژن پر عاشق ہو گئی تھی اور اس جرم پر افراسیاب نے اس کو گھر سے نکال دیا تھا، جب اس نے رستم کا آنا سنا تو اس کے پاس روتی ہوئی گئی، اس موقع پر فردوسی کو منیژہ کی بیکسی اور عزت کی تصویر دکھانی ہے اس لیے ایک طرف تو اس کو دخت افراسیاب کے لفظ سے تعبیر کرتا ہے۔

تاکہ اس کی عزت اور حرمت کا تصور سامنے آئے، دوسری طرف کہتا ہے کہ وہ ننگی دوڑتی ہوئی آئی جس سے اس کی ذلت ثابت ہوتی ہے، ان دونوں پہلو کے دکھانے سے منیشرہ کا بیکس اور قابل رحم ہونا مجسم بن کر سامنے آجاتا ہے[1]

منیشرہ منم دخت افراسیاب — برہنہ نہ دیدہ تنم آفتاب

میں افراسیاب کی بیٹی منیشرہ ہوں، میرا جسم آفتاب نے بھی برہنہ نہیں دیکھا۔

برائے یکے بیژن شوربخت — فتادم ز تاج و فتادم ز تخت

کم بخت بیژن کے لیے میرا تاج اور تخت سب جاتا رہا۔

علامہ فرماتے ہیں کہ یہ دونوں شعر بھی اسی لیے موثر ہیں کہ دو متقابل حالتیں پیش کی ہیں یعنی جس کو آفتاب نے برہنہ نہیں دیکھا وہ ایک بدبخت کی وجہ سے اس حالت میں گرفتار ہے[2]

واقعہ کے ذکر میں اجمال علامہ ایک اور نکتہ یہ بیان کرتے ہیں کہ محاکات کا کمال یہ ہے کہ تصویر کے تمام جزئیات کا استقصا کیا جائے یا بعض جزئیات کو نمایاں کر کے دکھایا جائے لیکن بعض جگہ محاکات کے موثر ہونے کے لیے یہ ضرور ہے کہ تصویر ایسی دھندلی کھینچی جائے کہ اکثر حصے اچھی طرح نظر نہ آئیں چنانچہ بعض اوقات جب کسی چیز کی عظمت کی تصویر کھینچنی مقصود ہوتی ہے تو تصویر کے حصے نمایاں نہیں کیے جاتے اور واقعہ کے تمام اجزا کا ذکر نہیں کرتے، مثال حسب ذیل ہے:۔

مگر شہ نداند کہ در روز جنگ — چہ سرہا بریدم در اقصائے زنگ

بہ یک تاختن تا کجا تاختم — چہ گردن کشاں را سر انداختم

---

[1] شعرالعجم جلد دوم ص ۲۱ [2] ایضاً ص ۲۲۔

(ترجمہ) کیا بادشاہ نہیں جانتا کہ لڑائی کے دن میں نے حبش میں کتنے سر کاٹے، ایک حملہ میں کہاں سے کہاں پہنچ گیا، کتنے گردن کشوں کے سر اڑا دیے۔

یہ وہ موقع ہے جہاں سکندر نے دارا کو خط لکھا ہے اور اپنے کارنامے بیان کرتا ہے، اگر اس موقع پر یہ بتا دیتا کہ وہ کہاں سے کہاں تک گیا تھا تو وہ بات نہ پیدا ہوتی جو اس اجمال سے پیدا ہوتی ہے ع بہ یک تاختن تا کجا تاختم[1]

قدر مشترک کا ذکر علامہ ایک اور شاعرانہ حقیقت کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ شاعر قوت تخیل سے تمام اشیا کو نہایت دقیق نظر سے دیکھتا ہے وہ ہر چیز کی ایک ایک خاصیت، ایک ایک وصف پر نظر ڈالتا ہے پھر اور اور چیزوں سے ان کا مقابلہ کرتا ہے، ان کے باہمی تعلقات پر نظر ڈالتا ہے۔ ان کے مشترک اوصاف کو ڈھونڈھکر ان سب کو ایک سلسلہ میں مربوط کرتا ہے، کبھی اس کے برخلاف جو چیزیں یکساں اور متحد خیال کی جاتی ہیں ان کو زیادہ نکتہ سنجی کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور ان میں فرق اور امتیاز کرتا ہے مثلاً

من آن نیم کہ حرام از حلال نشناسم — شراب با تو حلال است و آب بے تو حرام

شراب اور پانی مختلف الحکم چیزیں ہیں یعنی شراب حرام ہے اور پانی حلال، شاعر کہتا ہے کہ دراصل دونوں کا ایک ہی حکم ہے، معشوق کے ساتھ پی جائے تو شراب اور پانی دونوں حلال ہیں اور معشوق کے بغیر پی جائے تو دونوں حرام ہیں، اس مضمون کو نہایت لطیف پیرایہ میں ادا کیا ہے، پہلے مصرعہ میں کہتا ہے کہ میں ایسا شخص نہیں کہ حرام اور حلال کی مجھ کو تمیز نہ ہو یعنی میں فقہ کے مسائل سے باخبر ہوں اور فقیہ ہوں پھر معشوق

---

[1] شعرالعجم ج ۴ ص ۲۲ و ۲۳۔

سے خطاب کر کے کہتا ہے تیرے ساتھ شراب پی جائے تو حلال ہے اور پانی تیرے بغیر پیا جائے تو حرام ہے، دونوں حالتوں میں دعوی کے ایک ایک جز کو چھوڑ دیا ہے کہ کہنے کی حاجت نہیں۔[1]

بہ تکلم بہ خموشی بہ تبسم بہ نگاہ می تواں برد بہ ہر شیوۂ دل آساں از من

گفتگو اور سکوت بالکل متضاد چیزیں ہیں لیکن چونکہ معشوق کا سکوت اور گفتگو دونوں دلربا ہیں اس لیے دلربائی کے وصف کے لحاظ سے دونوں یکساں ہیں، اس مضمون کو نہایت خوبی سے ادا کیا ہے اول تو متناقض چیزوں کو اثر کے لحاظ سے یکساں ثابت کیا، حالانکہ مختلف چیزوں کا اثر مختلف ہونا چاہیے، اس کے ساتھ "بہ ہر شیوہ" سے یہ خیال ظاہر ہوتا ہے کہ تکلم اور خموشی کی تخصیص نہیں بلکہ معشوق کی جو ادا ہے دل کے چھیننے کے لیے کافی ہے "آساں" کے لفظ سے یہ ثابت کرنا ہے کہ دل فطرتاً درد آشنا ہے کہ ہر ادا پر فوراً لوٹ جاتا ہے۔[2]

خیال کی لطافت و نزاکت | علامہ کی نگاہ شعر کی لطافت و نزاکت اور خیالات کی باریکی پر پڑتی ہے تو اس میں گوناگوں پہلو ڈھونڈھ لیتی ہے، ان کے حافظہ میں خدا جانے اشعار کا کتنا ذخیرہ تھا کہ جب ان کو پیش کرنے پر آتے ہیں تو ختم ہی نہیں ہوتے، سمجھ میں نہیں آتا کہ کس شعر کو لیا جائے اور کس کو چھوڑا جائے۔

لطافت خیال کو وہ فارسی شاعری کا خاص اور امتیازی وصف بتاتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ عربی بلکہ شاید اور کسی زبان کو یہ لطافت خیال نصیب نہیں ہو سکتی مثالوں سے اندازہ کیجیے۔

[1] شعرالعجم ج ۴ ص ۳۰، [2] ایضاً۔

چشم چوں پر عشوہ کرد اول بسوی خویش دید بادۂ خود خورد و ساقی ساغر لبریز دا

فرماتے ہیں اس شعر میں جو مضمون ادا کیا ہے مشکل سے کسی اور زبان میں ادا ہو سکتا تھا، اکثر ایسا ہوتا ہے کہ معشوق جب بن ٹھن کر تیار ہوتے ہیں تو مزے میں آکر خود اپنی سج دھج کو دیکھنے لگتے ہیں، شاعر اس حالت کی تصویر کھینچتا ہے اور کہتا ہے کہ جب معشوق کی آنکھوں میں کرشمہ بھر گیا تو اس نے پہلے خود اپنے آپ پر نظر ڈالی، گویا ساقی نے جب پیالہ بھرا تو پہلے تھوڑی سی خود بھی پی لی۔[1]

جائے مشام دیدہ کشودم ببوئے گل پنداشتم کہ گرد رہ یار می رسد

یعنی پھولوں کی خوشبو آئی تو میں نے بجائے اس کے کہ شامہ سے کام لیتا، آنکھیں کھول دیں، میں سمجھا کہ معشوق کے راستہ کی گرد ہے اس لطافت خیال کو دیکھو کوچۂ معشوق کی گرد لطافت کی وجہ سے بوئے گل ہے، اس لیے پھولوں کی جو خوشبو آئی تو دھوکا ہوا کہ کوئے یار کی گرد ہے، علامہ بجا فرماتے ہیں کہ یہ خیالات اس قدر لطیف ہیں کہ تاب اظہار نہیں لا سکتے گویا حباب ہیں کہ چھونے سے ٹوٹ جاتے ہیں میں اردو میں ترجمہ کرتا ہوں اور افسوس آتا ہے کہ تمام لطافت خاک میں مل جاتی ہے۔[2]

فرماتے ہیں صحبت احباب کے لطف کو ایک شاعر اس لطافت کے ساتھ ادا کرتا ہے:۔

عادت بجمع بودن احباب کردہ ایم ما بو نمی کنیم گلے را کہ دستہ نیست

جب تک احباب کا جمگھٹا نہ ہو مجھ کو صحبت کا لطف نہیں آتا پھول جب تک گلدستے میں نہ ہو میں اس کو نہیں سونگھتا۔[3]

پری رخ بہ شکر خندہ قتل مردم کرد چو گفتمش کہ مرا ہم بکش تبسم کرد

شعر کا ترجمہ یہ کرتے ہیں کہ ایک پری رو نے خندۂ شیریں سے ہزاروں آدمیوں کو

[1] شعرالعجم ج ۴ ص ۱۹۴ [2] ایضاً [3] ایضاً۔

قتل کر دیا میں نے کہا کہ مجھ کو بھی، یہ سن کر مسکرا دیا" اس مضمون کو کس لطافت سے ادا کیا ہے عاشق کے قتل کی درخواست پر مسکرا دینا متعدد پہلو پیدا کرتا ہے جن میں ایک یہ بھی ہے اور یہ سب سے کم لطیف ہے کہ معشوق نے شکر خندہ سے ہزاروں آدمی کو قتل کیا تھا اب جو عاشق نے قتل کی درخواست کی تو وہ مسکرا دیا کہ ایک آدمی کے لیے اسی قدر کافی ہے[1]

تاک را سیراب دار اے ابر نیساں در بہار　　قطرہ تا مے تواند شد چرا گوہر شود

تاک انگور کی بیل کو کہتے ہیں، ابر نیساں کی نسبت خیال ہے کہ اس کے قطرے سیپ میں گرتے ہیں تو موتی بن جاتے ہیں، شاعر ابر نیساں سے مخاطب ہو کر کہتا ہے کہ تو انگور کی بیل کو سیراب رکھ کیونکہ جب تک قطرہ شراب بن سکتا ہے موتی بننے کی کیا ضرورت ہے، یعنی شراب کا قطرہ موتی سے زیادہ قیمتی ہے اس لیے بجائے اس کے کہ ابر نیساں موتی تیار کرے یہ بہتر ہے کہ انگور پر برسے کہ شراب تیار ہو[2]

فیضے عجبے یافتم از صبح بہ بینید　　ایں جادہ روشن رہ میخانہ نباشد

جادۂ روشن وہ راستہ جو صاف ہو اور بے تکلف منزل تک پہنچا دے، علامہ فرماتے ہیں کہ اصل خیال یہ تھا کہ صبح کے سہانے وقت میں شراب زیادہ لطف دیتی ہے اس لیے صبح کے آثار دیکھ کر شراب کو زیادہ جی چاہتا ہے اس کو یوں ادا کیا ہے کہ صبح سے عجب فیض حاصل ہو رہا ہے دیکھنا یہ جادۂ روشن شراب خانہ کا راستہ تو نہیں ہے[3]

در بوستان بہ یاد دہان تو غنچہ را　　امسال باغباں ہمہ نشگفتہ چیدہ بود

علامہ لکھتے ہیں غنچہ کو دہن سے تشبیہ دیتے ہیں شعر کا مطلب یہ ہے کہ باغباں کو

[1] شعر العجم ج ۴ ص ۱۹۵ [2] ایضاً [3] ایضاً

جو معشوق کا دہن یاد آیا تو اس نے اب کی سال پھول کے بجائے بن کھلی ہی کلیاں چن لیں[1]

از بس زبیم خوئے تو دزدیدہ ام نفس　　یک پردہ پست تر ز خموشی ست نالہ ام

علامہ کی نکتہ آرائی ملاحظہ ہو فرماتے ہیں جب سردی اس قدر بڑھ جاتی ہے کہ مقیاس الحرارۃ کا پارہ مطلق نہیں چڑھتا تو اس درجہ کو صفر کہتے ہیں اس سے بھی سردی بڑھ جائے تو اس کے بھی مدارج ہیں اور اس کو یوں ادا کرتے ہیں کہ صفر سے ایک درجہ نیچے۔ اس سے بھی بڑھے تو صفر کے درجوں کے عدد بڑھاتے جاتے ہیں اسی طرح آواز کی پستی و بلندی کے درجے ہیں لیکن جب مطلق آواز نہ ہو تو سکوت ہوگا، شاعر تخیل سے سکوت کے بھی مدارج قائم کرتا ہے اور کہتا ہے اے معشوق میں نے تیرے ڈر سے اس قدر خاموشی اختیار کی ہے کہ میرا نالہ سکوت سے بھی بقدر ایک پردہ کے پست ہے، اس قدر باریک خیال دوسری زبان میں اس لطافت کے ساتھ ادا نہیں ہو سکتا[2]

روزم تو بر فروز و شبم را تو نور دہ　　ایں کار تست کار مہ و آفتاب نیست

فرماتے ہیں اس خیال کو کہ معشوق کے بغیر عاشق کی آنکھوں میں سب اندھیرا ہے یوں ادا کیا ہے معشوق سے کہتا ہے میرے دل کو تو روشن کر اور میری رات کو نور دے یہ تیرا کام ہے، آفتاب و ماہتاب کے بس کی چیز نہیں، بظاہر مبالغہ ہے کہ آفتاب و ماہتاب بھی دن کو روشن نہیں کر سکتے لیکن واقع میں بالکل سچ ہے دل خوش نہ ہو تو دن بھی اندھیرا معلوم ہوتا ہے "تو" اور کار کی تکرار نے ایک خاص لطف پیدا کر دیا ہے[3]

با تو گستاخی است گفتن ترک بد خوئے نما　　با دلِ خود گفتہ ام آئینہ را بے زنگ ساز

علامہ فرماتے ہیں کہنا یہ تھا کہ معشوق تو بدخوئی سے باز نہیں آسکتا اس لیے اپنے ہی

[1] شعر العجم ج ۴ ص ۱۹۶ [2] ایضاً ص ۱۹۸ و ۱۹۹ [3] ایضاً ص ۱۹۷۔

دل کو ایسا بنا لینا چاہیے کہ معشوق کی بدخوئی سے رنج نہ ہو، اس کو یوں ادا کرتا ہے کہ معشوق سے یہ کہنا تو گستاخی ہے کہ بدخوئی چھوڑ دے اس لیے میں نے اپنے دل سے کہدیا ہے کہ اب کی آئینہ ایسا بنانا کہ اس میں رنگ آنے ہی نہ پائے، صیغہ غائب کے بجائے خطاب نے اور زیادہ لطف پیدا کر دیا ہے[1]

نرنجم زیں کہ باہر عاشقے میل سخن داری کہ تو حسن زیادہ از کاروبار عشق من داری

— علامہ کے قلم سے اس کی دلآویز ترجمانی ملاحظہ ہو عشق کا اگرچہ یہی اقتضا ہے کہ معشوق کسی اور کی طرف ملتفت نہ ہونے پائے لیکن بعض وقت دل میں انصاف آتا ہے کہ آخر ساری دنیا کو اس کے حسن کے تمتع سے کیوں روکا جائے، اس خیال کو شعرا نے مختلف طریقوں سے ادا کیا ہے ایک شاعر کہتا ہے ع بہ بلبلے نتواں داد یک گلستاں را

یعنی سارا باغ ایک بلبل کو نہیں دیا جا سکتا، اس شعر میں اس خیال کو نہایت لطافت سے ادا کیا ہے معشوق سے کہتا ہے کہ اگر تو ہر عاشق سے ملنا چاہتا ہے تو میں اسکا رنج نہیں کرتا کیونکہ تیرے حسن کی وسعت میرے عشق کے پھیلاؤ سے بہت زیادہ ہے، یعنی تیرے وسیع حسن کے لیے صرف ایک شخص کا عشق کافی نہیں ہو سکتا[2]

علامہ آخر میں لکھتے ہیں فارسی نے جو لطیف خیالات ادا کیے وہ عربی وغیرہ زبانوں کی دسترس سے باہر ہے[3]

دقت آفرینی وخیال بندی دقت آفرینی اور خیال بندی کا موجد ظہیر فاریابی کو بتایا ہے، اس کا شعر ہے۔

اندیشہ کہ گم شود از لطف در ضمیر گردوں بہ راز ہا کمرت در میاں نہاد

[1] شعر العجم ج ۴ ص ۱۹۷، [2] ایضاً ص ۱۹۹ [3] ایضاً ص ۲۰۰۔

علامہ اس بات سے آگاہ کرنے کے بعد کہ متاخرین نے کمر کی تعریف میں جو دقت آفرینیاں کی ہیں ان سب کی اصل یہی ظہیر کا شعر ہے اس کا مطلب یہ بتایا ہے کہ معشوق کی کمر ایک لطیف خیال ہے جس کو آسمان نے چپکے سے معشوق کے کمربند سے کہدیا ہے، افسوس ہے کہ راز در میاں نہادن کا صحیح ترجمہ اردو میں نہیں ہو سکتا اسلیے فارسی میں جو لطافت ہے وہ ترجمہ میں جاتی رہی[1]

در تنگ نائے بیضہ ز تاثیر عدل او نقاش صنع پیکر مرغاں ستاں نہاد

علامہ نے "ستاں نہادن" کے معنی چت لٹانا بتایا ہے۔ نقاش صنع سے مراد قدرت بتایا ہے، شعر کا مطلب یہ ہے کہ بادشاہ کے عدل کا یہ اثر ہے کہ قدرت نے ذرا سے انڈے میں پرندوں کو چت لٹایا کہ آرام سے سوئیں، اسی صنعت کو فارسی میں حسن التعلیل کہتے ہیں[2]

نازک تشبیہیں ظہیر کی نازک اور لطیف تشبیہوں کے ایجاد کرنے کا ذکر کرتے ہوئے یہ شعر پیش کرتے ہیں۔

چمن ہنوز لب از شیر ابر ناشستہ چو شاہدان خط سبزش دمیدہ گرد عذار

لکھتے ہیں" لب از شیر ناشستن" یعنی ابھی بچہ کا دودھ نہیں چھوٹا، شعر کا مطلب یہ ہے کہ باغ ابھی بچہ ہے یہانتک کہ ابھی اس کے ہونٹوں پر ابر باراں کا دودھ جما ہوا ہے، باوجود اس کے نوخطوں کی طرح اس کے چہرہ پر سبزہ نکل آیا ہے[3]

علامہ قاآنی کے بڑے مداح ہیں اس کی تشبیہات کے متعلق فرماتے ہیں کہ اکثر نیچرل (فطری) ہوتی ہیں مثلاً

[1] شعر العجم ج ۵ ص ۹ و ۱۰، [2] ایضاً ص ۱۰، [3] ایضاً ص ۱۱۔

دو زلفِ تابدارِ او بہ چشمِ اشکبارِ من | ہو چشمۂ کہ اندر او، شنا کنند مارہا

اس کی زلفیں میری اشکبار آنکھوں میں اس طرح نظر آتی ہیں کہ گویا چشمہ میں سانپ تیر رہے ہیں[1]

ساق بالا زند اندر شمر آب کلنگ | ہمچو بلقیس کہ بر صرح سلیمان گزرد

یعنی تالاب میں کلنگ اس طرح پائنچے چڑھاتا ہے گویا بلقیس حضرت سلیمانؑ کے شیشہ والے حوض میں اتر رہی ہے[2]۔

اے خوشا وقت کہ غایت مستیش سخن | ہمچو سرمازدہ در کام بہ تکرار افتد

وہ بھی کیا لطف کا وقت ہوتا ہے کہ معشوق کی زبان سے مستی کی حالت میں ایک لفظ بار بار ادا ہوتا ہے جس طرح سردی کھایا ہوا شخص بولتا ہے[3]

دقت و مضمون آفرینی کے ضمن میں علامہ فرماتے ہیں کہ مرزا غالب کی طبیعت میں نہایت شدت سے اجتہاد اور جدت کا مادہ تھا ان کے ایک قصیدہ کا شعر ہے۔

خاک کویش خود پسند افتادہ در جذبِ سجود | سجدہ از بہرِ حرم نگذاشت در سیمائے من

علامہ فرماتے ہیں اصل مضمون صرف اس قدر ہے کہ میں حرم کے بجائے ممدوح کی خاک پر سجدہ کرتا ہوں' اس کو یوں ادا کرتے ہیں کہ خاک کو کی شکایت کرتے ہیں کہ نہایت مغرور اور خود پسند ہے، چنانچہ میری پیشانی میں ایک سجدہ بھی حرم کے لیے نہ چھوڑا[4]، دوسرا شعر ہے:-

عاجزم چوں در ثنائے دوست باز شکم چکار | میروم از خویش تا گیرد عطارد جائے من

مجھ سے ممدوح کی تعریف ادا نہیں ہوسکتی تو رشک سے کیا فائدہ، میں اس کام سے دستبردار ہو جاتا ہوں کہ عطارد اس کام کو انجام دے[5]

بلاغت کلام | علامہ کا نکتہ آرا قلم جابجا شعر کی بلاغت کے پہلوؤں کو نمایاں کرتا ہے،

[1] شعر العجم ج ۵ ص ۱۱ [2] ایضاً ص ۱۹ و ۲۰ [3] ایضاً ص ۲۰ [4] ایضاً ص ۴۴ [5] ایضاً ص ۲۵۔

اس سے ان کے شعر فہم اور سخن شناس ہونے کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔ معشوق کو جس طرح اپنے حسن و جمال پر ناز ہوتا ہے، عاشق کو بھی اپنی وفاداری اور کمال عشق کا غرور ہوتا ہے۔ خواجہ حافظ فرماتے ہیں:-

شبے مجنوں بہ لیلیٰ گفت کہ اے معشوق بے ہمتا | ترا عاشق شود پیدا ولے مجنوں نہ خواہد شد

مطلب یہ ہے کہ ایک دن مجنوں نے لیلیٰ سے کہا کہ اے بے مثل معشوق! مجھ کو اس سے انکار نہیں کہ تیرے اور بھی عاشق ہیں اور آیندہ بھی ہوں گے لیکن مجنوں نہیں پیدا ہوسکتا، علامہ ارشاد فرماتے ہیں کہ یہ شعر سر تا پا بلاغت ہے، چونکہ اس قسم کا خیال ایک طرح پر معشوق کی توہین ہے، اس لیے آغاز کلام مدح سے کیا ہے یعنی اے بے مثل معشوق اس فقرے کے بجائے کہ میرا جیسا عاشق نہ پیدا ہوگا، یہ کہنا کہ "مجنوں نہ پیدا ہوگا" گویا یہ کہنا ہے کہ میرا سا جانباز، میرا سا جاں نثار، میرا سا وفادار، میرا سا خانماں برباد وغیرہ وغیرہ نہیں پیدا ہوسکتا، کیونکہ مجنوں کے نام کے ساتھ یہ تمام اوصاف خود بخود ذہن میں آجاتے ہیں، اس سے ظاہر ہوگا کہ مجنوں کے لفظ میں جو بات ہے، صفحوں میں بھی نہیں ادا ہوسکتی اور اس لیے عاشقانہ غرور اور نازکی کا اس سے بڑھ کر کوئی اسلوب نہیں ہوسکتا[1]

رندی کی عظمت، اس کا اعلان اور اس کی ترغیب اور تحریص خواجہ صاحب کا خاص میدان ہے علامہ فرماتے ہیں کہ اس میں آج تک کوئی ان کی گرد تک نہ پہنچ سکا، شعر ہے:-

کہ بر و نبزد شاہاں زمنِ گدا پیاپے | کہ بکوئے میفروشاں دو ہزار جم بہ جامے

[1] شعر العجم ج ۵ ص ۴۹۔

ترجمہ یہ ہے' بادشاہوں کو مجھ فقیر کا یہ پیغام کون پہنچا دے گا کہ میفروشوں کی گلی میں دو ہزار جمشید ایک پیالے میں آتے ہیں'

علامہ اس شعر کی وجوہ بلاغت پر لحاظ کرنے کی دعوت دیتے ہیں' اول تو بادشاہوں کو جو پیغام دینا چاہا ہے اس میں اپنے نام کے ساتھ گدا کا وصف بڑھایا ہے جس سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ میخانہ کے گدا بھی ایسے جری ہوتے ہیں' اسی کے ساتھ عام لوگوں پر چوٹ ہے کہ لوگ اتنی جرات نہیں رکھتے کہ بادشاہوں تک پیغام پہنچا دیں اس لیے عام اعلان کے ذریعہ سے ایسے شخص کو ڈھونڈھتا ہے پھر میخانہ کے بجائے کوئے میفروشاں کہتا ہے یعنی میکدہ تو خیر بڑی درگاہ ہے۔ مے فروشوں کی گلی میں بھی بادشاہوں کی قدر نہیں' جمشید کی تخصیص اولاً تو اس لحاظ سے ہے کہ شوکت اور دبدبہ میں جمشید کا کوئی ہمسر نہیں ہوا، دوسرے یہ کہ شراب اور جام جمشید کی ایجاد ہیں' تاہم شراب کے سامنے جب جمشید کی جاہ و شوکت کی کوئی حقیقت نہیں تو اور کسی کی کیا ہوگی[1]

فقیہ مدرسہ دی مست بود و فتوی داد کہ مے حرام و لے بہ ز مال اوقاف است

علامہ کہتے ہیں اس طرز ادا کی بلاغت پر لحاظ کرو اول تو اس امر کا اعتراف کہ شراب گو حرام سہی لیکن مال وقف سے بہرحال اچھی ہے خود فقیہ کی زبان سے کرایا ہے' اس کے ساتھ مست کی قید لگا دی ہے جس سے یہ دکھانا مقصود ہے کہ فقیہ سچی بات کا اعتراف یوں کاہے کو کرتا، مست تھا، اس لیے پس و پیش کا خیال نہ آیا اور جو دل میں تھا زبان سے کہہ گیا[2]

کہیں کہیں علامہ کی بلاغت شناس طبیعت خاص خاص الفاظ کے نکتے بیان کرکے انکے وجوہ بلاغت کو بیان کرتی ہے مثلاً

---

[1] شعرالعجم ج ۵ ص ۵۳ [2] ایضاً ج ۲ ص ۲۲۹۔

ترسم کہ صرفہ نہ برد روز بازخواست نان حلال شیخ ز آب حرام ما

مجھے ڈر ہے کہ قیامت کے دن شیخ کی حلال روٹی میرے آب حرام (شراب) سے بازی نہ لے جاسکے، علامہ کہتے ہیں جدت اسلوب کے ساتھ ہر لفظ ایک خاص لطف پیدا کرتا ہے، ترسم سے دکھانا ہے کہ میں اس بات کو بطور شماتت کے نہیں کہتا بلکہ ہمدردی کے لحاظ سے مجھ کو کھٹکا لگا ہوا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو، قیامت کو بازخواست کے لفظ سے تعبیر کیا ہے جس سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ وہ کھوٹے کھرے کے پرکھنے کا دن ہے' نان حلال اور آب حرام کے مقابلہ نے علاوہ صنعت اضداد کے جو نہایت بے تکلفی سے ادا ہوئی ہے اصل مضمون کو نہایت بلیغ کر دیا ہے یعنی زاہد کی روٹی باوجود حلال ہونے کے میرے آب حرام سے بازی نہ لے جائے تو زاہد کے لیے کس قدر افسوس کا سبب ہوگا۔[1]

کمند صید بہرامی' بیفگن' جام مے بردار کہ من پیمودم این صحرا نہ بہرام است نے گورش

علامہ نے اس شعر کی جو تشریح کی ہے اس سے ان کی بلاغت و سخن شناسی اور شعر فہمی کا اندازہ کر دوہ رقمطراز ہیں:-

" بہرام گور خر کا شکار کھیلا کرتا تھا اس بنا پر اس کو بہرام گور کہتے تھے۔ شعر کا مطلب یہ ہے کہ بہرام کی کمند (جس سے وہ گورخر کو پکڑا کرتا تھا) پھینک دو اور جام مے ہاتھ میں لو' میں اس صحرا کو خوب ناپ چکا ہوں' نہ بہرام ہے' نہ گور' اس مضمون کے ادا کرنے کی خوبی کا ایک بڑا پہلو یہ ہے کہ بہرام کی گمشدگی کو نہایت وسعت دی جائے یعنی کہیں اس کا پتہ نہیں لگتا نہ زمان میں نہ مکان میں' صحرا کا لفظ یہاں اس خوبی سے

---

[1] شعرالعجم ج ۲۔ ص ۲۲۹۔

آیا ہے کہ زمان اور مکان دونوں پر حاوی ہو گیا ہے، زمانہ کے امتداد کو صحرا سے تعبیر کیا ہے یعنی زمانہ ایک صحرا ہے جس میں بہرام کا کہیں پتہ نہیں لگتا، گمشدگی کی ترقی دینے کے لیے بہرام کی چیزوں کا ذکر بھی ضروری ہے یعنی بہرام کے ساتھ اس کی کسی چیز کا پتہ نہیں، گور کا لفظ گورخر کے لیے بھی آتا ہے اور گور قبر کو بھی کہتے ہیں، یہاں دونوں معنی لیے جا سکتے ہیں یعنی بہرام کے گورخر کا پتہ نہیں یا بہرام کی قبر کا پتہ نہیں، اس لفظی اشتراک نے بھی ایک خاص لطف پیدا کر دیا ہے[1]۔

شراب تلخ دہ ساقی کہ مرد افگن بود زورش   کہ تا لختے بیاسایم ز دنیا و از شر و شورش

علامہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص دنیا کے جھگڑے اور بکھیڑوں سے تنگ آ کر کہتا ہے کہ مجھکو ذرا دنیا کے شور و شر سے ستانے دو اور چونکہ یہ مشکل ہے اس لیے کہ دنیا کے بکھیڑوں سے اس وقت نجات مل سکتی ہے جب کہ دولت و عزت، جاہ و منصب، نام و نمود، عزت و اقتدار سے ہاتھ اٹھا لیا جائے، اس لیے کہتا ہے کہ شراب یعنی کوئی ایسی چیز دو جس کے نشہ میں یہ سب باتیں بھول جائیں اور چونکہ اس کے لیے نشہ کی ضرورت ہے اس لیے مرد افگن اور زور کا لفظ استعمال کیا ہے یعنی ایسی شراب جس کا نشہ بڑے بڑوں کو گرا دے[2]۔

خواجہ حافظ نے اس مضمون کو کہ دنیا جیسی چیز کے لیے زیادہ کاوش کی ضرورت نہیں نہایت موثر طریقوں سے ادا کیا ہے مثلاً:

شکوہ تاج سلطانی کہ بیم جاں درو درج است   کلاہ دلکش است اما بدرد سر نمی ارزد

یعنی شاہی تاج (جس کے ساتھ جان کا خوف لگا ہوا ہے) بے شک دلفریب تاج ہے،

[1] شعر العجم ج ۵ ص ۵۲ [2] ایضاً ص ۵۲ و ۵۳۔

لیکن دردِ سر کے قابل نہیں، علامہ اس کی بلاغت سے معمور شرح یوں کرتے ہیں تاج سلطانی کے رتبہ کو شکوہ کے لفظ سے ادا کیا ہے، لیکن ساتھ ہی بیم جان کا ذکر بھی کر دیا ہے کہ اس کی رغبت کم ہو جائے، دردِ سر کا لفظ نہایت جامع اور بلیغ لفظ ہے، وہ اہمیت اور بے حقیقتی دونوں پر دلالت کرتا ہے، یہ بھی مطلب ہو سکتا ہے کہ تاج سلطانی اس قابل بھی نہیں کہ اس کے لیے ذرا سا دردِ سر بھی گوارا کیا جائے اور یہ بھی کہ وہ اس قابل نہیں جس کیلئے جان جوکھوں برداشت کیا جائے[1]۔

اظہار جذبات و جوش بیان | علامہ کے نزدیک شاعری کی اصلی حقیقت جذبات کا اظہار ہے یعنی شاعر پر کوئی جذبہ طاری ہو اور وہ ان جذبات کو اس طرح ادا کرے کہ دوسروں پر بھی وہی اثر چھا جائے خواجہ صاحب کے اظہار جذبات اور جوش بیان کا اندازہ ان اشعار سے ہوگا جو علامہ کے حسن انتخاب کا نتیجہ ہیں، ان کے پُر زور ترجمہ سے علامہ کی شعرفہمی و سخن شناسی بھی سامنے آئے گی۔

شراب و عشق نہاں چیست کار بے بنیاد   زدیم بر صف رنداں و ہرچہ باداباد

چھپ کر شراب پینا بے اصول کام ہے، میں رندوں کی صف پر ٹوٹ کر گرتا ہوں جو ہونا ہوگا ہوگا۔

بیا تا گل برافشانیم و مے در ساغر اندازیم   فلک را سقف بشگافیم و طرح نو در اندازیم

آؤ پھول برسائیں اور شراب پیالہ میں ڈالیں   آسمان کی چھت توڑ ڈالیں اور نئی بنیاد قائم کریں

اگر غم لشکر انگیزد کہ خون عاشقاں ریزد   من و ساقی بہم سازیم و بنیادش براندازیم

اگر غم لشکر تیار کرے گا کہ ہمارا خون بہائے تو ہم اور ساقی مل کر اس کو جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دیں گے۔ علامہ فرماتے ہیں اس حوصلہ کو دیکھو اور غم کا سہارا لشکر ہے

[1] شعر العجم ج ۵ ص ۵۳۔

ادھر صرف یہ اور ساقی، لیکن اس کے جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دینے کا دعویٰ ہے[1]

گدائے میکدہ ام، لیک وقت مستی بیں
کہ ناز بر فلک و حکم بر ستارہ کنم

گھر میں شراب خانہ کا گدا ہوں لیکن مستی کی حالت میں مجھکو دیکھو کہ آسمان سے ناز اور ستارہ پر حکومت کرتا ہوں۔

ساقی بیا کہ شد قدح لالہ پر زمے
طامات تا بچند و خرافات تا بکے

ساقی آ، لالہ کا پیالہ شراب سے بھر چکا پرہیزگاری کہاں تک اور بک بک کب تک۔

زاں پیشتر کہ عالم فانی شود خراب
مارا ز جام بادۂ گلگوں خراب کن

اے ساقی اس کے قبل کہ یہ عالم فانی برباد ہو جائے ہم کو شراب کے پیالے سے برباد کردے۔

خوشتر ز فکر مے و جام چہ خواہد بودن
چوں خبر نیست کہ انجام چہ خواہد بودن

جب یہ نہیں معلوم کہ انجام کیا ہوگا تو مے و جام سے بڑھ کر کیا چیز ہو سکتی ہے۔

دمے با غم بسر بردن جہاں یکسر نمی ارزد
بمے افروش دلق ما کزیں بہتر نمی ارزد

ساری دنیا اس قابل نہیں ہے کہ اس کے لیے ایک لحظ کا غم گوارا کیا جائے، ہمارا خرقہ شراب کیلئے بیچ ڈالو تو اس سے اچھے اس کے دام نہیں اٹھ سکتے۔[2]

شوخی وظرافت خواجہ صاحب کا کلام شوخی وظرافت کے لحاظ سے بھی ممتاز ہے انکی شوخی طبع کی لطافت اور علامہ کے ترجمہ کی دلآویزی کے لیے دو شعر ملاحظہ ہوں۔

واعظ شہر کہ مردم ملکش می خوانند
قول ما نیز ہمیں است کہ او آدم نیست

واعظ کو لوگ فرشتہ کہتے ہیں اس قدر تو ہم کو بھی تسلیم ہے کہ وہ آدمی نہیں ہے (باقی فرشتہ ہے یا شیطان اسکا فیصلہ ہوتا رہے گا)

گر ز مسجد بخرابات شدم عیب مگیر
مجلس وعظ دراز ست و زماں خواہد شد

[1] شعر العجم ج ۵ ص ۵۵ [2] ایضاً ص ۵۴ تا ۵۶۔

یعنی میں اگر مسجد سے اٹھ کر شراب خانہ میں چلا گیا تو اعتراض کی کیا بات ہے وعظ تو ابھی دیر تک ہوتا رہے گا، میں پی کے چلا آؤں گا۔

اس موقع پر علامہ نے قائم کا یہ شعر بھی نقل کیا ہے۔

مجلس وعظ تو تا دیر رہے گی قائم
یہ ہے میخانہ ابھی پی کے چلے آتے ہیں[1]

خواجہ حافظ کے کلام میں جو گرمی و مستی ہے وہ علامہ کو بھی مست، بے خود اور سرشار کر دیتی ہے اس لیے وہ ان کا افسانہ بار بار لطف و لذت لے کر سناتے ہیں پھر بھی سیر نہیں ہوتے۔

تلمیحات شعر فہمی کے لیے ان تلمیحات سے واقفیت ضروری ہے جو شعر میں آئیں، علامہ کو اس میں بھی کمال حاصل تھا، دو چار مثالوں سے ان کی اس باخبری کا اندازہ ہوگا۔

علامہ نے اکثر لوگوں کا حال یہ بتایا ہے کہ وہ کسی مقصد کو حاصل کرنا چاہتے ہیں اور جب کامیاب نہیں ہوتے تو سمجھتے ہیں کہ مقصد ہی ناممکن الحصول تھا لیکن ان میں خود استقلال، جوش اور طلب صادق نہ تھی ورنہ سچا طالب محروم نہیں رہ سکتا خواجہ صاحب اس نکتہ کو اس طرح ادا کرتے ہیں:۔

طالب لعل و گہر نیست وگرنہ خورشید
ہمچناں در عمل معدن و کان ست کہ بود

علامہ فرماتے ہیں کہ مشہور یہ ہے کہ آفتاب کی روشنی متصل کئی سو برس تک جب کسی پتھر کے ٹکڑے پر پڑتی ہے تو وہ لعل بن جاتا ہے، شعر کا مطلب یہ ہے کہ لعل و جواہرات کے طالب موجود نہیں ورنہ آفتاب تو اب بھی اسی طرح جواہرات بنانے میں مصروف ہے۔[2]

اکثر حکما کا خیال ہے کہ عالم کی حقیقت، اس کی غرض و غایت نہیں معلوم ہو سکتی۔

[1] شعر العجم ج ۲ ص ۲۶۳ و ۲۶۴ [2] ایضاً ج ۵ ص ۴۴۔

صرف اتنا معلوم ہے کہ کچھ ہے باقی یہ کہ کیا ہے، کیوں ہے، کیسا ہے معلوم نہیں، شعرانے طرح طرح سے اس مضمون کو باندھا ہے مگر خواجہ صاحب فرماتے ہیں۔

کس نہ دانست کہ منزل گہِ مقصود کجا است　　ایں قدر ہست کہ بانگ جرسے می آید

علامہ کی نکتہ آرائی ملاحظہ ہو، اگلے زمانہ میں دستور تھا کہ قافلہ چلتا تھا تو ایک اونٹ کی گردن میں گھنٹہ لٹکا دیتے تھے، مطلب یہ ہے کہ کسی کو معلوم نہیں کہ منزل مقصود کہاں ہے اور کہاں جانا ہے، اتنی بات البتہ ہے کہ ایک گھنٹہ کی آواز آرہی ہے جرس کو تنکیر کے لفظ سے بیان کیا ہے یعنی گھنٹہ کا بھی کچھ پتہ نہیں کہ کہاں ہے کدھر ہے کس قسم کا ہے، بس ایک آواز سنائی دیتی ہے جس سے قیاس ہوتا ہے کہ شاید کوئی قافلہ ہے، اس مضمون کے ادا کرنے کی اصل خوبی یہ ہے کہ ہر چیز میں ابہام اور اشتباہ باقی رہے، اس شعر میں ابہام کو پورا قائم رکھا ہے[1] خواجہ حافظ دنیا کی بے اعتباری کو اس پُراثر طریقہ سے بیان کرتے ہیں:۔

بس کن ز کبر و ناز کہ دیدہ ست روزگار　　چین قبائے قیصر و طرفِ کلاہ کے

ترجمہ یہ ہے کہ ناز و غرور رہنے دو، زمانہ قیصر کی قبا کی شکن اور کیخسرو کے تاج کا خم دیکھ چکا ہے، علامہ فرماتے ہیں اگلے زمانہ میں امرا اور اہل جاہ قبا وغیرہ چنوا کر پہنتے تھے اور سر پر ٹوپی ٹیڑھی رکھتے تھے اس لیے یہ چیزیں جاہ و عظمت کا نشان تھیں، اس بناپر دنیاوی جاہ و عظمت کو ان لفظوں سے تعبیر کیا ہے، ساتھ ہی یہ بلیغ پہلو ہے کہ دنیاوی عظمت کی بس اتنی حقیقت ہے جتنی کسی چیز کی شکن اور خم کی[2]

آسماں بار امانت نتوانست کشید　　قرعۂ فال بنام من دیوانہ زدند

[1] شعر العجم ج ۵ ص ۴۹ [2] ایضاً ص ۵۱۔

علامہ فرماتے ہیں قرآن شریف میں مذکور ہے کہ "ہم نے اپنی امانت کو آسمان اور زمین پر پیش کیا، سب نے انکار کیا اور ڈر گئے لیکن آدمی نے اس بار کو اٹھالیا مقصد یہ ہے کہ زمین و آسمان تکلیفات شرعیہ کی قابلیت نہیں رکھتے تھے، یہ قابلیت صرف انسان کو عطا کی گئی کہ جائز ناجائز، حلال، حرام، نیک و بد کی تمیز رکھتا ہے اور اسی بناپر اس کے لیے شریعت کے احکام آتے ہیں، حضرات صوفیہ کے نزدیک امانت سے مراد عشق حقیقی ہے کہ انسان کے سوا اور کسی کو حاصل نہیں بہرحال یہ شعر دونوں معنوں کے لحاظ سے صحیح ہے[1]

ہمانا کہ خورشید رنگ رخش را　　بدزدد کہ بخشد بہ یاقوت احمر

علامہ فرماتے ہیں عام خیال یہ ہے کہ آفتاب جب کسی پتھر پر چالیس برس تک متصل طلوع ہوتا رہتا ہے تو وہ یاقوت بن جاتا ہے، عنصری کہتا ہے کہ آفتاب دراصل معشوق کے چہرے کا رنگ چراتا ہے اور یاقوت کو دیدیتا ہے (شعر العجم ج ۱ ص ۶۳)

اشعار کا تقابل علامہ نے اکثر شعرا کے کلام کا باہمی موازنہ بھی کیا ہے جس کی تفصیل کی گنجایش نہیں البتہ شاعرانہ نکتوں اور بلاغت کے رموز بیان کرتے ہوئے یا اشعار کی گرہیں کھولتے اور ان کا مفہوم واضح کرتے ہوئے انھوں نے دو شاعروں کے شعر کو نقل کرکے ان کا مقابلہ کیا ہے، اس طرح کی بعض مثالیں ملاحظہ ہوں۔

ہزار بار قسم خوردہ ام کہ نام ترا　　بہ لب نیاوردم الا قسم بنام تو بود

علامہ فرماتے ہیں یہ خیال اکثر شعرا نے ظاہر کیا ہے کہ عاشق معشوق کی رسوائی اور بدنامی کے ڈر سے لوگوں کے سامنے اس کا نام نہیں لینا چاہتا لیکن بے اختیار اس کا

[1] شعر العجم ج ۵ ص ۴۰۔

نام زبان پر آ ہی جاتا ہے اسی مضمون کو یوں ادا کیا ہے، معشوق سے مخاطب ہو کر کہتا ہے
کہ میں نے سینکڑوں دفعہ قسم کھائی کہ تیرا نام نہ لوں گا، لیکن قسم تیرے ہی نام کی تھی (یعنی یوں
تیرا نام آگیا)، اس مضمون کو نظیری نے اور لطیف پیرایہ میں ادا کیا، اس طرز ادا میں یہ
عیب تھا کہ قصداً نام لینا ثابت ہوتا ہے نظیری کہتا ہے۔

گرچہ می دانم قسم خوردن بجانت خوب نیست   ہم بجان تو کہ یادم نیست سوگندے دگر

یعنی گو میں جانتا ہوں کہ تیری جان کی قسم کھانا کچھ اچھی بات نہیں لیکن تیری ہی جان
کی قسم مجھکو اور کوئی قسم یاد نہیں، اس میں یہ خوبی ہے کہ معشوق کا نام لے لیا ہے لیکن جان کر
نہیں یعنی خود اس کو یہ نہیں خبر کہ معشوق کا نام زبان پر آگیا ہے[1]

علامہ کہتے ہیں لوگوں میں خصومت اور جنگ و جدال کا بڑا سبب مذہبی منافرت
ہے، دنیا میں لاکھوں کروروں جانیں اسی کی بدولت برباد ہوئی ہیں، خود ایک ہی
مذہب کے لوگوں میں ذرا ذرا سے اختلافات پر نہایت ناگوار نزاعیں قائم ہو جاتی
ہیں اور ایک دوسرے کو کافر و مرتد کہتا ہے اور اس کے خون کا پیاسا ہو جاتا ہے،
اہل دل ان نزاعوں کو ناپسند کرتے ہیں اور جس قدر حقیقت پرستی اور عرفان شناسی
کا اثر زیادہ بڑھتا ہے اسی قدر یہ خیالات مٹتے جاتے ہیں اور نظر آتا ہے کہ سب اسی
ذات یکتا کے طالب ہیں، سب کو اسی کی تلاش ہے، سب اسی کے عشق میں چور ہیں،
اس نکتہ کو خواجہ صاحب نے متعدد پیرایوں میں ادا کیا ہے۔

ہمہ کس طالب یار اند چہ ہشیار و چہ مست   ہمہ جا خانۂ عشق چہ مسجد چہ کنشت
در عشق خانقاہ و خرابات شرط نیست   ہر جا کہ ہست پرتو روئے حبیب ہست

[1] شعر العجم ج ۳ ص ۲۰۲۔

علامہ کا ترجمہ ملاحظہ ہو، سب یار کے طالب ہیں خواہ مست ہو خواہ ہشیار، ہر جگہ
عشق کا گھر ہے، مسجد ہو یا بت خانہ، عشق میں خانقاہ اور شراب خانہ کی قید نہیں۔
عرفی نے اس مضمون کو تشبیہ کے ذریعہ سے بالکل بدیہی کر دیا ہے۔

عارف ہم از اسلام خراب ست و ہم از کفر   پروانہ چراغ دیر و حرم نہ داند[1]

معشوق کو کسی بہانہ اور حیلہ سے بلانا شعرا کا عام مضمون ہے، ایک شاعر کہتا ہے،

امشب بیا تا در چمن، سازیم پر پیمانہ را   تو شمع و گل را داغ کن من بلبل و پروانہ را

علامہ فرماتے ہیں کہ اس شعر میں بلانے کی تقریب اظہار کمال قرار دی ہے، شاعر
معشوق سے کہتا ہے کہ تم آؤ تو ایک معرکہ قائم کیا جائے، ایک طرف تم اور شمع و گل اور
ایک طرف میں اور پروانہ و بلبل اور چونکہ نتیجہ کا حال قطعاً معلوم ہے اس لیے کہتا ہے
کہ تم شمع اور گل کو رشک سے جلانا اور میں پروانہ اور بلبل کو، خواجہ صاحب فرماتے ہیں۔

پروانہ و شمع و گل و بلبل ہمہ جمع اند   اے دوست بیا رحم بہ تنہائی ما کن

کہتے ہیں اور سب لوگ اپنے اپنے مطلوب کے ساتھ ہم بزم اور ہم نشیں ہیں، اے دوست آ اور میری تنہائی پر رحم کر۔
علامہ کی نکتہ آرائی اور بلاغت شناسی دیکھئے لکھتے ہیں، اس میں اولاً تو بلانے
کی تقریب رحم قرار دی ہے، جو فطرتاً ہر شخص میں ودیعت کیا گیا ہے، اس کے ساتھ ناکامیابی
کا اس طرح اظہار کرنا کہ معشوق درکنار کوئی شخص بھی پاس نہیں پھر یہ بلاغت کہ بظاہر
معشوق کو معشوق کی حیثیت سے نہیں بلاتے کہ اس کو شرم و لحاظ کی بنا پر کوئی تکلف ہو
بلکہ اس غرض سے بلاتے ہیں کہ آ کر ہماری تنہائی دیکھ جائے، پھر اس میں یہ پہلو بھی ہے کہ
جب اور معشوقوں کو دیکھے گا کہ اپنے عاشقوں کے ساتھ ہم صحبت ہیں تو اس کو بھی

[1] شعر العجم ج ۵ ص ۴۳۔

ترغیب ہوگی۔[1]

دشنام معشوق کے لطف کو تمام شعرا نے باندھا ہے غزالی کہتے ہیں

دشنام دہی و بر لب تو   روح القدس آفریں نویسد

تو گالی دیتا ہے اور تیرے ہونٹوں پر جبریل آفریں لکھتے جاتے ہیں، خواجہ صاحب فرماتے ہیں۔

قند آمیختہ با گل نہ علاجِ دلِ ماست   بوسۂ چند بیامیز بہ دشنامے چند

معشوق سے کہتے ہیں کہ پھول میں جو قند ملا لیتے ہیں (یعنی گلقند) یہ میرے دل کا علاج نہیں، علاج کرنا ہے تو گالیوں میں چند بوسے ملا لو، علامہ فرماتے ہیں اس طرز ادا کی بلاغتوں پر لحاظ کرو اول تو کلام کا ایک بڑا حصہ غیر مذکور رہے، یعنی عاشق بیمار ہے معشوق کو معلوم ہوا کہ عاشق بیمار ہے اور دل کی بیماری ہے، اس بنا پر وہ گلقند لایا ہے اور عاشق کو دیتا ہے، یہ سب جملے غیر مذکور ہیں لیکن خود بخود سمجھ میں آتے ہیں پھر گلقند کو گل قند نہیں کہا بلکہ اس کی ترکیب بیان کی ہے، ان کو آمیختن کے لفظ سے بیان کیا ہے، اس سے اس قوت متخیلہ کا اظہار ہوتا ہے جو ہر چیز کو مجسم کرکے دکھا دیتی ہے، اسکے علاوہ چونکہ معشوق سے گل قند کی فرمایش ہے اس لیے وہی لفظ استعمال کیا ہے جو گلقند کے لیے کیا جاتا ہے، بوسہ اور دشنام دونوں کی ایک ہی مقدار بیان کی ہے یعنی چند جس سے یہ غرض ہے کہ اس گلقند کی ترکیب میں یہ ضرور ہے کہ دونوں اجزا ہم وزن ہوں، یعنی جتنی گالیاں ہوں اتنے ہی بوسے بھی ہوں۔[2]

فغانی کی خصوصیت علامہ نے یہ بھی بتایا ہے کہ اس نے کسی بات کو زیادہ پیچ دیکر

[1] شعر العجم ج ۲ ص ۴۰ [2] ایضاً ص ۴۸۔

کہنے کا طرز قائم کیا مثلاً

درماندہ صلاح و فسادیم الحذر   زیں رسمہا کہ مردم عاقل نہادہ اند

علامہ فرماتے ہیں کہ جو خیال اس شعر میں ظاہر کیا گیا ہے یہ ہے کہ حکما اور فلاسفہ نے خیر و شر کے اصول قائم کیے اور پھر ان میں باہم اختلاف ہے، ایک کے نزدیک جو چیز تمدن یا اخلاق کے خلاف ہے، وہی چیز دوسرے کے نزدیک عین تمدن و اخلاق ہے اس لیے عام لوگ سخت مشکل میں پڑ جاتے ہیں، ان کو خود اس جھگڑے کے فیصلہ کرنے کی قابلیت نہیں اور چونکہ دونوں رائیں باہم متناقض ہیں اس لیے دونوں ایک ساتھ تسلیم نہیں کی جا سکتیں، عرفی اسی خیال کو زیادہ بے باکی اور گستاخی سے ادا کرتا ہے۔

کفر و دیں را ببر از یاد کہ ایں فتنہ گراں   در بد آموزی با مصلحت اندیش خود اند

صلاح و فساد کے بجائے عرفی نے کفر و دیں کا لفظ استعمال کیا اور پھر صاف صاف دونوں کو فتنہ گر کہا، فغانی نے صرف یہ کہا تھا کہ عقلا نے جو اصول قائم کیے ہیں، انھوں نے ہم کو چکر میں ڈال دیا ہے، عرفی کہتا ہے یہ دونوں (کفر و دیں) ہم کو باہم لڑنا سکھلاتے ہیں اور اس سے ان کی غرض یہ ہے کہ ان کی گرم بازاری قائم رہے، کیونکہ اختلاف و نزاع کے بغیر جوش و خروش، زور و شور اور چہل پہل نہیں ہوتی۔[1]

اس بات کو کہ دنیا کا راز معلوم نہیں ہو سکتا خواجہ صاحب اس تشبیہ کے ذریعہ سے ادا کرتے ہیں ع

کہ کس نکشود و نکشاید بہ حکمت ایں معما را

یعنی دنیا ایک چیستاں ہے جو فلسفہ اور عقل سے نہیں حل ہو سکتا، فغانی اسی کو

[1] شعر العجم ج ۵ ص ۵۸ و ۵۹۔

یوں کہتے ہیں:۔

آں کہ ایں نامۂ سربستہ نوشت است نخست   گرہے سخت بہ سررشتۂ مضمون زدہ است

یعنی جس شخص نے ابتدا میں یہ تحریر لکھی، مضمون کے دھاگے میں ایک سخت گرہ بھی لگادی۔[1]

خیام کہتا ہے:۔

خاکے کہ بزیر پائے حیوانے است   زلف صنمے و عارض جانانے است

ہر خشت کہ بر کنگرۂ ایوانے است   انگشت وزیرے و سر سلطانے است

علامہ فرماتے ہیں شیخ سعدی نے اس مضمون کے لیے فرضی حکایتیں لکھی ہیں مثلاً کہتے ہیں:۔

شنیدم کہ یک بار در دجلۂ   سخن گفت با عابدے کلۂ

کہ من فر فرماندہی داشتم   بہ سر بر کلاہ می داشتم

ایک دوسری جگہ اور بھی نہایت درد انگیز طریقہ سے اسی کو ادا کیا ہے۔ مگر علامہ فرماتے ہیں کہ سعدی کی یہ تمام نقش آرائیاں خیام ہی کے مرقع کا عکس ہیں۔[2]

سعدی کا شعر ہے:۔

دوستاں منع کنندم کہ چرا دل بتو دادم   باید اول بہ تو گفتن کہ چنیں خوب چرائی

علامہ فرماتے ہیں یہ مضمون اگرچہ نیچرل ہونے کی حیثیت سے اس قدر اعلیٰ درجہ کا تھا کہ اس پر ترقی نہیں ہوسکتی تھی لیکن امیر خسرو نے ایک اور جدید اسلوب پیدا کیا۔

جراحت جگر خستگاں چہ می پرسی   ز غمزۂ پرس کہ ایں شوخی از کجا آموخت

غالب نے اسی خیال کو اور زیادہ بدیع اور شوخ کر دیا ہے۔

نظر کہیں نہ لگے ان کے دست و بازو کو   یہ لوگ کیوں مرے زخم جگر کو دیکھتے ہیں[3]

[1] شعر العجم ج ۵ ص ۹۵ و ۶۰، [2] ایضاً ج ۱ ص ۲۱۴، [3] ایضاً ج ۲ ص ۱۵۶ و ۱۵۷۔

"جائے تو باشد" "ایمائے تو باشد" کی طرح میں نظیری نے غزل لکھی، جائے کا قافیہ استادوں کی غزل میں اس پہلو سے بندھ چکا ہے کہ اس کا جواب نہیں ہوسکتا مثلاً:۔

دو عالم را بیک بار از دل تنگ   بروں کردیم تا جائے تو باشد

مگر نظیری نے اس پامال قافیہ کو بالکل نئے پہلو سے باندھا،

نیازارم ز خود ہرگز دلے را   کہ می ترسم درو جائے تو باشد

علامہ نے اسی قافیہ میں ایک اور استاد کا یہ شعر تحریر کیا ہے:۔

جہانے مختصر خواہم کہ دروے   ہمیں جائے من و جائے تو باشد[1]

فغانی کا مشہور مطلع ہے:۔

بہ نوبت صبحدم، نالاں بگلگشت چمن رفتم   نہادم روئے بر روئے گل و از خویشتن رفتم

میرزا صائب نے اس کو یوں بدل دیا:۔

بہ بوئیت صبحدم گریاں چو شبنم در چمن رفتم   نہادم روئے بر روئے گل و از خویشتن رفتم

علامہ فرماتے ہیں کہ "شبنم کی تشبیہ نے شعر میں جان ڈال دی اور دعوے کو پورا ثابت کر دیا"[2]

عیب و قبح کی نشاندہی | علامہ جس طرح کلام کے محاسن اور خوبیوں کو دلکشی و دلآویزی کے ساتھ پیش کرتے ہیں اسی طرح اس کے عیوب و اسقام بھی ان کی نگاہ سے اوجھل نہیں رہتے تھے جو ان کی سخن شناسی اور شعر فہمی کا ایک بڑا ثبوت ہے اس کی تفصیل اوپر کی مثالوں میں آچکی ہے تاہم یہاں بطور خاص اس کا ذکر کیا جاتا ہے۔

علامہ ارشاد فرماتے ہیں کہ محاکات کے کمال کے لیے عام کائنات کی ہر قسم کی چیزوں کا

[1] شعر العجم ج ۳ ص ۱۲۰ [2] ایضاً ص ۱۷۸۔

مطالعہ کرنا ضروری ہے، شاعر کبھی لڑائیوں اور معرکوں کا حال لکھتا ہے کبھی قوموں کے اخلاق و عادات کی تصویر کھینچتا ہے، کبھی جذبات انسانی کا عالم دکھاتا ہے کبھی شاہی درباروں کا جاہ و حشم بیان کرتا ہے، کبھی ٹوٹے پھوٹے جھونپڑوں کی سیر کراتا ہے، اس حالت میں اگر اس نے عالم کائنات کا مشاہدہ نہ کیا ہو اور ایک ایک چیز کی خصوصیات اور قابل انتخاب باتوں کو دقت آفرینی سے نہ دیکھا ہو تو وہ ان مرحلوں کو کیونکر طے کر سکتا ہے، شیکسپیئر تمام دنیا کا سب سے بڑا شاعر مانا جاتا ہے اس کی یہی وجہ ہے کہ اس نے ہر درجہ اور ہر طبقہ کے لوگوں کے اخلاق و عادات کی تصویر کھینچی ہے اور اس طرح کھینچی ہے کہ اس سے بڑھ کر ممکن نہیں، اس شرط کی کمی کی وجہ سے بڑے بڑے شعرا کے کلام میں علانیہ رخنے نظر آتے ہیں، نظامی خدائے سخن ہیں تاہم دارا کے خط میں جو سکندر کے نام تھا لکھتے ہیں :۔

دگر نہ خیانت وہم گوش پیچ — کہ دانی تو ہیچی و مکتر ز ہیچ

ورنہ میں تیرے ایسے کان ملوں گا کہ تو جان جائے کہ نا چیز سے بھی نا چیز ہے۔

علامہ لکھتے ہیں نظامی گوشہ نشین شخص تھے شاہی درباروں میں آنے جانے کا کم اتفاق ہوا تھا، شاہانہ ادب اور طریق گفتگو سے واقف نہ تھے اس لیے وہی عام بازاری لفظ گوش پیچ (کان اینٹھنا) لکھ گئے، اس نقص کی وجہ سے واقعہ کی صحیح تصویر نہ اتر سکی[1]

دوسری جگہ لکھتے ہیں شعر کی اس سے زیادہ کوئی بدقسمتی نہیں کہ تخیل کا بیجا استعمال کیا جائے، طبیعیات کے متعلق جس طرح یونانی حکما کی قوتیں بے کار گئیں اور آج تک ان کے پیرو ہیولا اور صورۃ کی فضول بحثوں میں الجھ کر کائنات کا ایک عقدہ بھی حل نہ کر سکے۔ بعینہ ہمارے متاخرین شعرا کا یہی حال ہوا، ان کی قوت تخیل قدما سے زیادہ ہے لیکن

---

[1] شعر العجم ج ۴ ص ۱۶۔

افسوس بالکل رائگاں صرف کی گئی، ایک شاعر کہتا ہے :۔

گوشہا را آشیاں مرغ آتش خوارہ کرد — برق عالم سوز یعنی غوغائے من

علامہ اس شعر کو سمجھنے کے لیے امور ذیل کو پہلے ذہن نشین کراتے ہیں :۔

(۱) مرغ آتشخوارہ ایک پرند ہے جو آگ کھاتا ہے۔

(۲) آہ و فریاد میں چونکہ گرمی ہوتی ہے اس لیے آہ اور فریاد کو شعلہ سے تشبیہ دیتے ہیں۔

(۳) مرغ آتشخوارہ وہاں رہتا ہے جہاں آگ ہوتی ہے۔

شاعر کہتا ہے کہ میری فریاد میں اس قدر گرمی ہے کہ کانوں میں پہنچی تو وہاں آگ پیدا ہو گئی اس بنا پر مرغ آتشخوارہ نے لوگوں کے کانوں میں جا کر گھونسلے بنا لیے ہیں کہ یہاں آگ نصیب ہوگی۔

علامہ فرماتے ہیں متاخرین کی اکثر نکتہ آفرینیاں اسی قسم کی ہیں جس کی وجہ یہی ہے کہ قوت تخیل کا استعمال بیجا طور سے ہوا ہے[1]۔ آگے کئی صفحات تک اسی طرح کی تخیل کی بے اعتدالیوں کا ذکر تفصیل سے کیا ہے[2]

علامہ نے ایران اور فارسی زبان کی اہمیت و خصوصیت جا بجا بتائی ہے، شعرا کے کلام پر تبصرے اور ان کی شاعری کا تجزیہ کیا ہے زبان اور محاوروں پر عالمانہ بحثیں کی ہیں، فارسی زبان کے ادوار بیان کر کے ہر دور کی زبان کی خصوصیت دکھائی ہیں، مروج و متروک الفاظ پر گفتگو کی ہے، ان سب سے فارسی زبان پر ان کے عبور اور شعر فہمی کے کمال کا پتہ چلتا ہے، غرض مصنف شعر العجم کی شعر فہمی کے پہلو اتنے گوناگوں ہیں کہ ایک ہی مضمون میں ان کا احاطہ مشکل ہے۔

---

[1] شعر العجم ج ۴ ص ۴۰ و ۴۱ [2] ایضاً ص ۴۱ تا ۴۶۔

بریلی کے اہم اخبارات

از ڈاکٹر لطیف حسین ادیب بریلی

بریلی میں انیسویں صدی عیسوی کے نصف آخر میں شعر و شاعری کے غیر معمولی فروغ کے ساتھ لٹریری سوسایٹی اور مطابع قائم ہوئے اور اخبارات و گلدستوں کا اجرا ہوا۔ جو اخبارات ہمارے علم میں آئے، ان کا تعارف مندرجہ ذیل ہے۔

عمدۃ الاخبار ہمارے پیش نظر عمدۃ الاخبار بریلی کے تین حوالے ہیں :۔

(۱) گارساں دی تاسی نے اپنے ایک مقالے میں (۱۸۷۰ء تا ۱۸۷۳ء) تحریر کیا "عمدۃ الاخبار۔ یہ اخبار بھوپال سے شایع ہوتا ہے۔ اس نام کے دو اخبار ایک مدراس سے اور ایک بریلی سے شایع ہوتے ہیں۔" (مقالات گارساں دی تاسی۔ ص ۲۱۸)

(۲) سید بدرالدین علوی نے اپنے مضمون "حضرت مفتی عنایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور بریلی کا کتب خانہ" مطبوعہ معارف اعظم گڈھ بابت مارچ ۱۹۵۲ء میں اطلاع دی کہ "بریلی سے ایک اردو اخبار عمدۃ الاخبار نامی قدیم زمانہ میں باہتمام منشی لچھمن پرشاد نکلتا تھا" (ص ۲۳۱) اسکے بعد علوی صاحب نے عمدۃ الاخبار بریلی کے یکم جنوری ۱۸۵۵ء سے پانچ مارچ ۱۸۵۵ء کے شماروں کا حوالہ دے کر یہ اطلاع دی کہ کتب خانہ بریلی کا افتتاح یکم مارچ ۱۸۵۵ء کو ہوا۔

(۳) قاسم سجن لال نے ہسٹاریکل ریکارڈ میں کمیشن جے پور کے اجلاس منعقدہ ۱۹۴۸ء میں ایک انگریزی مقالہ "دی عمدۃ الاخبار بریلی" پیش کیا۔ قاسم سجن لال کے پیش نظر عمدۃ الاخبار

بریلی کے ۱۸۵۴ء سے ۱۸۵۶ء تک کے شمارے تھے (روداد کمیشن مذکورہ بالا۔ ص ۱۰۰) اسی سلسلے میں ڈاکٹر شعائر اللہ خاں، رامپور رضا لائبریری رامپور نے اپنے مکتوب مورخہ ۲۵ جولائی ۱۹۹۱ء میں مجھے تحریر کیا کہ "بریلی کے عمدۃ الاخبار کے کچھ شمارے قاسم علی سجن لال کے ذخیرے میں محفوظ ہیں جو عثمانیہ یونیورسٹی لائبریری میں موجود ہے۔" گویا قاسم سجن لال نے عمدۃ الاخبار کے جن شماروں کو سامنے رکھ کر جے پور کے اجلاس میں جو مقالہ پڑھا وہ عثمانیہ یونیورسٹی لائبریری حیدرآباد میں موجود ہیں۔

قاسم سجن لال کے مذکورہ مقالے سے معلوم ہوا کہ عمدۃ الاخبار بریلی کا اجرا ۱۸۴۶ء میں ہوا۔ اس کا مدیر لچھمن پرشاد تھا۔ جب لچھمن پرشاد نے مدرسۂ بریلی (موجودہ بریلی کالج بریلی ملحقہ روہیلکھنڈ یونیورسٹی بریلی) میں مدرسی اختیار کی تو ۱۱ اگست ۱۸۵۳ء کو لالہ کلیان رائے عمدۃ الاخبار بریلی کا مدیر مقرر ہوا۔ اس کے بعد ۱۰ جون ۱۸۵۵ء کو ماتھو لال نے ادارت کا بار سنبھالا۔ عمدۃ الاخبار کے ہر شمارے میں بارہ صفحات ہوتے تھے اور ہر صفحہ دو کالماں تھا، وہ ہفتہ وار تھا اور ہر دو شنبہ کو شایع ہوتا تھا۔ بعض شماروں میں سائنس کے موضوعات پر مضامین شایع ہوئے جن کی وضاحت خاکوں اور نقشوں کے ذریعہ کی گئی۔ تین یا چار صفحات آگرہ گزٹ کے لیے مخصوص تھے۔ آخری صفحہ پر خریداروں کی فہرست شایع ہوتی تھی اور اسکے ساتھ ہی ان خریداروں کے اسما بھی جن پر رقوم بقایا تھیں۔ فہرست خریداراں میں ہندو مسلمان نوابین اور امرا کے نام ملتے ہیں۔ شمالی مغربی صوبہ کی حکومت چھ کاپیاں خریدتی تھی۔ عمدۃ الاخبار کی اشاعت کا خاص مقصد یہ تھا کہ اس عہد کے سماجی، تعلیمی اور ثقافتی خیالات کو مشتہر کیا جائے (ص ۱۰۰) اس اخبار میں پورے ہندوستان میں واقع ہونے والے اہم معاملات کی خبریں چھپتی تھیں اور بعض بین الاقوامی واقعات جیسے روس اور ترکی کی لڑائی، افغانستان کے

حالات، نواب واجد علی شاہ کی معزولی وغیرہ پر تبصرے شایع ہوئے (ص ۱۰۱) انگریز حکام جو فلاحی کام کرتے تھے، اس کو نمایاں طور پر شایع کرکے اس کی تعریف کی جاتی تھی (ص ۱۰۲) گورنمنٹ نے سرکاری مدارس میں جو رقم خرچ کی اس کا بھی جائزہ لیا گیا اور معلوم ہوا کہ سرکار نے ایک طالب علم کی تعلیم پر سات سو انتالیس روپے نو آنے خرچ کیے۔ (ص ۱۰۳)

روس اور ترکی کی جنگ میں جو سپاہی مارے گئے ان کی بیواؤں اور یتیموں کے لیے امدادی رقوم کا نقشہ شایع ہوا۔ اسی طرح جن اشخاص کو حکومت نے بطور صلۂ خدمت انعامات عطا کیے، ان کے اسما بھی اس اخبار میں شایع ہوئے۔ اس اخبار میں آبادی کے اعداد و شمار بھی شایع ہوئے (ص ۱۰۴) عمدۃ الاخبار میں جن اخباروں کے اشارات شایع ہوئے ان کے یہ نام ہیں۔ (۱) سفیر آگرہ۔ ہفتہ وار۔ صفحات چھ۔ مدیر ناگرمل (۲) مطلع الانوار۔ ہفتہ وار۔ مدیر شیخ عمر گجراتی (۳) مفید خلائق۔ ہفتہ وار۔ تعداد صفحات چھ۔ اردو اور ہندی میں۔ مدیر شیو نرائن آگرہ (۴) آگرہ اخبار۔ ہفتہ وار۔ اردو اور ہندی میں۔ مدیر کنیا لال (۵) سحر سامری۔ ہفتہ وار۔ مدیر پنڈت بیجناتھ لکھنؤ (۶) نور علیٰ نور یل تجلی طور۔ ماہانہ میگزین۔ چشمۂ فیض پریس۔ مدیر منشی دیوان چند۔ چندہ سالانہ چار روپے (ص ۱۰۵)

عمدۃ الاخبار کا اجرا ۱۸۴۶ء میں ہوا تھا۔ گارساں دی تاسی کے مقالے کی روشنی میں اس کا ۱۸۷۳ء تک جاری رہنا ثابت ہے۔ وہ کن حالات میں اور کب بند ہوا ہنوز تحقیق طلب ہے۔

مخزن العلوم

اس اخبار کے متعلق گارساں دی تاسی نے اپنے ایک مقالے میں تحریر کیا۔

"یہ رسالہ بریلی سے نکلتا ہے جیسا کہ میں نے اپنی کتاب ادب ہندی و ہندوستانی کی تاریخ (جلد ۳۔ ص ۱۳۱۴) میں ذکر کیا ہے۔" (مقالات گارساں دی تاسی۔ ص ۹۱)

مخزن العلوم بریلی کے جنوری ۱۸۷۲ء سے دسمبر ۱۸۷۲ء تک کے بارہ شماروں پر مشتمل

ایک جلد نمبر ۸ میرے پیش نظر ہے۔ اس رسالے کے متعلق اہم معلومات اس طور پر ہیں:۔

ماہنامہ۔ تعداد صفحات ۵۶۔ ورق کا سائز لمبائی ½ ۲۲ سینٹی میٹر چوڑائی ۱۵ سینٹی میٹر مسطر ۱۵ سطری۔ کتابت جلی۔ کاغذ سفید چکنا ولایتی۔ سرورق پر طغرائی حاشیہ۔ مدیر یا مرتب کا نام نہیں ملتا۔ "من جانب" روہیلکھنڈ لٹریری سوسائٹی"۔ "مطبع سوسائٹی میں چھپا" ۱۸۷۲ء میں روہیلکھنڈ لٹریری سوسائٹی بریلی کے دو سکریٹریوں کے نام ملتے ہیں۔ جون ۱۸۷۲ء کے شمارے میں منشی گنگا پرشاد ڈپٹی کلکٹر کا نام ملتا ہے (ص ۲۲) اور اکتوبر ۱۸۷۲ء کے شمارے میں لالہ لچھمی نرائن رئیس بریلی کا نام ملتا ہے (ص ۲۲) ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مخزن العلوم کی نشر و اشاعت کا انتظام روہیلکھنڈ لٹریری سوسائٹی کی جانب سے سکریٹری سوسائٹی ہذا کے ہی سپرد تھا اور کوئی علٰحدہ سے مدیر مقرر نہیں تھا۔ ان شماروں کو دیکھ کر کتابت و طباعت کی سادگی کا احساس ہوتا ہے۔

چونکہ مخزن العلوم بریلی کے ۱۸۷۲ء کے شماروں پر جلد ۸ مرقوم ہے، معلوم ہوا کہ اس کا اجرا ۱۸۶۵ء میں ہوا۔

مخزن العلوم بریلی میں جو مضامین شایع ہوئے ان کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ بیشتر مضامین تاریخی۔ جغرافیائی۔ تعلیمی۔ زراعتی۔ قانونی طبی اور مذہبی موضوعات پر شایع ہوئے۔ مخزن العلوم بریلی میں منظومات و غزلیات وغیرہ بالکل شایع نہیں ہوئیں اور ادبی موضوعات پر جو چند مضامین شایع ہوئے ان کا موضوع لسانیات۔ اخلاقیات اور سماجیات تھا۔ اس عہد کے معیار کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ ادبی مضامین معلوماتی اور دانشورانہ ہیں۔ مثلاً جولائی ۱۸۷۲ء کے شمارے میں ایک مضمون کا عنوان ہے "تحقیق عوارض"۔ اس مضمون میں اس سوال کا جواب دیا گیا ہے "بتاؤ کیا کیا عوارض پڑتے ہیں جس سے ایک زبان کا تلفظ

دوسری زبان میں آکر بگڑ جاتا ہے۔" مضمون نگار نے اس سلسلے میں دس منقول اور دس معقول عوارض بیان کیے "جو بطور اصل کے چند شعبوں سے منتخب ہو سکتے ہیں"۔ یہ عالمانہ تحقیقی اور افادی مضمون ہے جو اردو اخبار دہلی سے منقول ہوا۔ (ص ۳۵) اخلاقیات کے متعلق دو انشائیے اہم ہیں۔ مئی ۱۸۷۲ء کے شمارے میں مولوی ہدایت علی مہتمم مطبع روہیلکھنڈ سوسائٹی بریلی کا مضمون بعنوان "شرافت و رذالت" اور دوسرا مضمون "شرافت" مولفہ منشی ذکاء اللہ ہیڈ ماسٹر نورمل اسکول دہلی جو مارچ ۱۸۷۳ء کے شمارے میں شایع ہوا (ص ۳۱) اور جس کو اخبار نجم الاخبار سے نقل کیا گیا۔ اس مضمون میں اس شعوری کشمکش کا عکس ملتا ہے جو انگریزی اثرات کی اشاعت کی وجہ سے پیدا ہوئی تھی۔ منشی ذکاء اللہ نے تحریر کیا:

"ہندوستان میں کئی قسم کی شرافت ہے۔ ایک مخصوص ہنود کے ساتھ۔ دوم مخصوص اہل اسلام کے ساتھ۔ تیسرے جو اہل اسلام اور ہنود کے باہمی اختلاط سے پیدا ہوئی۔ چوتھے جو انگریزی سلطنت اور تعلیم کے سبب سے"۔ (ص ۳۳)

اس کے بعد منشی ذکاء اللہ نے انگریزی تہذیب کے اثرات کا جائزہ لیتے ہوئے تحریر کیا:

"عوام الناس کا یہ قول ہے کہ انگریزی تہذیب اور شائستگی سے تین باتیں ہندوستانیوں میں پیدا ہوئیں۔ ایک بگھی دوسری برانڈی تیسری زناکاری..... (ص ۳۰)

"میرے نزدیک جن باتوں میں ہمارے باپ دادا شرافت جانتے تھے وہ انگریزی سلطنت اور عدالت کے موافق کبھی قائم نہیں رہ سکتی اس لیے انگریزی عملداری میں کتیلی میں پانی گرم ہوا نیچے کی کدورت اوپر چڑھی جو نیچے کے درجہ میں بیٹھے ہوئے تھے وہ سیڑھیوں پر بتدریج چڑھ کر گئے اور پہنچ گئے اور جو درجہ اعلیٰ میں بیٹھے ہوئے تھے وہ دھڑام دیسی سے نیچے گر پڑے"۔ (ص ۴۱)

ایسے ادبی مضامین جن میں "مفید عام" گفتگو کی گئی اور بعض عصری سماجی باتوں کو پیش نظر رکھا گیا ان میں مندرجہ ذیل مضامین کافی دلچسپ ہیں:

۱۔ "اخبار کی آزادی کے فائدے اور نقصان" منقول از نورالابصار۔ (فروری ۱۸۷۲ء۔ ص ۴۴)

۲۔ "مضمون درباب تدابیر انسداد فضول خرچی شادی" مولفہ منشی اجودھیا پرشاد ہیڈ ماسٹر مدرسہ انگلس گنج، بریلی (اپریل ۱۸۷۲ء۔ ص ۴۱)

۳۔ "ورد ہمجنسی" مولفہ منشی اجودھیا پرشاد۔ (جولائی ۱۸۷۲ء۔ ص ۲۶)

اس مضمون میں انسانی رشتے پر عالمانہ بحث کی گئی ہے۔

۴۔ "ہندوستانیوں کو سرکاری ملازمت کا نہ ملنا"۔ مولف کا نام نہیں ملتا۔ اگست ۱۸۷۲ء (ص ۳۷)

مخزن العلوم بریلی کے جولائی ۱۸۷۲ء کے شمارے میں مولوی محمد عثمان خاں صاحب بہادر مدارالمہام ریاست رامپور کے مرتب کردہ دیوان بدرچاچ کا ریویو شایع ہوا (ص ۴۴) جو اس وجہ سے اہم ہے کہ اس وقت کتابوں کے اشتہار تو شایع ہوتے تھے لیکن ایسے ریویو کی اشاعت شاذ تھی۔

تاریخی مضامین کے سلسلے میں ایک مسلسل مضمون عمارات دہلی پر شایع ہوا۔ یہ سلسلہ کب شروع ہوا اس کا تعین نہیں کیا جا سکتا کیونکہ ۱۸۷۲ء سے پہلے کے شمارے فراہم نہیں ہوئے۔ یہ سلسلہ اکتوبر ۱۸۷۲ء میں بند ہوا اور ایک سو چونتیس عمارتوں پر مضامین قلمبند ہوئے۔ مضمون نگار کا نام نہیں ملتا۔ مضمون نگار نے آخری مضمون میں مسجد روشن الدولہ۔ باغ ناظر۔ مجبر محمد شاہ بادشاہ۔ قدسیہ باغ۔ چوبی مسجد۔ سنہری مسجد۔ مقبرہ منصور یا صفدر جنگ۔

کالکا۔ لال بنگلہ۔ مقبرہ نجف خاں۔ جنیوں کا بڑا مندر۔ گمرجا گھر۔ جوگ باباجنیوں کا چھوٹا مندر۔ کوٹھی جہان نما۔ مجرمرزا جہانگیر۔ ظفر محل یا جل محل۔ ہیرا محل۔ کوٹھی دلکشا۔ باؤلی حضرت قطب شاہ۔ آہنی پل ہیڈن۔ لال ڈگی۔ پل جدید نکمبود پر مختصر تعارفی مضامین قلم بند کیے ہیں۔ ان مضامین میں کتبات تاریخ اور طرز تعمیر کو فراموش نہیں کیا گیا جس کی وجہ سے ان کی اہمیت میں اضافہ ہوا۔ اس مسلسل مضمون کے علاوہ "کلمبس کا بیان" (مارچ ۱۸۷۲ء)، "یادداشت روایات تاریخی بابت کٹہیروں ضلع مرادآباد"، "ہندوستان کی مختصر کیفیت" اور بنگال کا حال قدیم" معلوماتی مضامین ہیں جو جون، اگست، دسمبر ۱۸۷۲ء کے شماروں میں علی الترتیب شایع ہوئے۔

تاریخی مضامین میں جغرافیہ کو شامل کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ "جغرافیہ زمانۂ قدیم" اس لحاظ سے ایک دلچسپ مضمون ہے کہ اس میں ابن زید، یاقوت، ابن بطوطہ وغیرہ کے سفرناموں سے استفادہ کیا گیا ہے۔ یہ مضمون دسمبر ۱۸۷۲ء کے شمارے میں شایع ہوا اور مضمون نگار کا نام نہیں ملتا۔

ایسے مضامین جن کا تعلق تعلیم کے موضوع پر ہے اچھی تعداد میں شایع ہوئے۔ ان مضامین سے بریلی کالج بریلی (سال تاسیس ۱۸۳۶ء) کی تعلیمی ترقی اور مجموعی طور پر صوبہ شمالی و مغربی (یعنی اتر پردیش) کے صیغہ تعلیم سے وابستہ اعداد و شمار ملتے ہیں۔ "اہلِ فرانس کی رائے نسبتِ تعلیم ہند" (اگست ۱۸۷۲ء)، "تدبیر ترقی تعلیم نسواں ہند" (اکتوبر ۱۸۷۲ء)، "تعلیم عوام الناس پر رائے" (نومبر ۱۸۷۲ء) اس عہد کے حالات کے مطابق دانشورانہ مضامین ہیں۔

چند مضامین زراعت کے موضوع پر ملتے ہیں اور مضمون نگاروں کا منشا ترقی

زراعت ہے۔ یہ مضامین ان پڑھ کاشتکاروں کے مقابلے میں زمینداروں کے مفید مطلب ہیں۔

فروری ۱۸۷۲ء کے شمارے میں تین مضامین "مسودہ قانون مجریہ اہل برہم سماج پر رائے دینے کے باب" میں ہیں۔ ان مضامین میں مذکورہ مسودہ قانون اور اس پر رائے کا متن جو روسائے شہر بریلی نے ایک کمیٹی تشکیل کر کے گورنمنٹ کو بھیجی تھی شایع ہوئی۔ اسی شمارے میں ایک مضمون حکیم بدرالدین خاں صاحب دہلوی کا "اسباب کثر حدوث سل اور دق کے بیان میں" (ص ۴۹) شایع ہوا۔

جنوری ۱۸۷۲ء کے شمارے میں ایک مضمون "عبادات" پر ہے۔ مضمون نگار ویدک دھرم کا ماننے والا معلوم ہوتا ہے اور اس کو فارسی ادب و تصوف سے بھی واقفیت میسر ہے۔ اس نے اس مضمون میں، دیگر مذاہب سے تقابل کرتے ہوئے، معرفت الٰہی اور نجات کا ویدک تصور پیش کیا ہے۔ زیادہ دلچسپ بات اس مضمون کا طرز بیان ہے جو فارسی اشعار صوفیانہ اصطلاحات اور ہندی الفاظ کی آمیزش سے ایک دلکش اسلوب کا مظہر بنا ہے۔ مثلاً:

> "اور ہم بتائے دیتے ہیں کہ اوس پرمشیر کی رضامندی کی راہ بید کی ہدایت ہے اور ذریعہ مغفرت کا اوس کا دہرم ہے اور یہ مشیر کا دہرم وہی ہے جو عام اور بے قید اور قدیم ہے اور اس صفت کا دہرم سوائے ہندو دہرم قدیم کے اور کوئی پایا نہیں جاتا" (ص ۵۵)

مخزن العلوم بریلی کے مذکورہ شماروں میں جن ہمعصر اخبارات کے حوالے ملتے ہیں، ان کے نام یہ ہیں:

لارنس گزٹ میرٹھ۔ اخبار انجمن پنجاب۔ اردو اخبار دہلی۔ لکھنؤ ٹائمس۔ اسٹیٹسمین۔

گنجینۂ علوم ۔ نجم الاخبار ۔ نورالابصار ۔ اودھ اخبار ۔ اخبار عالم ۔ اردو گائیڈ ۔ کوہ نور ۔ پنجابی اخبار پٹیالہ ۔ اکمل الاخبار ۔ دہلی اخبار ۔ سررشتۂ تعلیم اودھ ۔ مخبر صادق ۔ تہذیب الاخلاق ۔ نورالانوار ۔ دبدبۂ سکندری ۔ اخبار سین ٹیفک ۔

مخزن العلوم میں جن علمی مجلسوں کے نام ملتے ہیں، وہ یہ ہیں :

سوسیٹی علی گڑھ ۔ سوسیٹی مرزاپور ۔ انسٹی ٹیوٹ نینی تال ۔ دہلی سوسیٹی ۔ سوسیٹی عرب سرائے دہلی ۔ ڈبیٹنگ سوسیٹی میرٹھ ۔ انجمن لاہور ۔ ایسوسی ایشن بنگالہ ۔ ایسوسی ایشن مرادآباد ۔ روہیلکھنڈ لٹریری سوسیٹی بریلی ۔

مخزن العلوم بریلی کے مطالعے سے مندرجہ ذیل باتیں اخذ کی جاسکتی ہیں :

(۱) ۱۸۵۷ء کے بعد جو حالات پیدا ہوئے اور انگریزی زبان و ادب، انگریزوں کی علمی وصنعتی ترقی اور ان کی تہذیب و معاشرت کے اثرات پڑنا شروع ہوئے اور مشرق میں ان اثرات کے احساس مطالعے تفکر اور ردعمل کی وجہ سے جو میلانات وجود میں آئے، ان کا بخوبی اندازہ ہوجاتا ہے۔ یہ اصلاحی رجحان تھا اور اصلاح کا تصور یہ تھا کہ تقلید و روایت پرستی کے مقابلے میں آزادروی اختیار کی جائے اور ترقی کے لیے نئے نئے علوم کا مطالعہ کرکے ان سے استفادہ کیا جائے۔ تاہم اپنی تہذیبی و تاریخی روایات سے ناطہ قائم رکھا جائے اور جو امور قابل اصلاح ہیں ان کی اصلاح کی جائے۔

(۲) اردو زبان بدستور ذریعہ ابلاغ بنی رہی۔ اردو صحافت کے وسیلے سے نئے علوم اور نئے میلانات کی اشاعت ہوئی۔ اخبارات نے جس اردو نثر کی ہمت افزائی کی وہ عام فہم تھی۔

(۳) عمدۃ الاخبار بریلی اور مخزن العلوم بریلی نے ہندوستان کی صحافتی ترقی میں

حصہ لیا اور خود بریلی میں اردو اخبارات کے فروغ کے لیے راہ ہموار کی۔

مخزن العلوم بریلی حالانکہ ماہنامہ تھا لیکن اس عہد کے اخبارات کی طرح اس کی پالیسی اور طریقہ کار ترویج علوم، جدید رجحانات کی اشاعت، مفید اور نئی معلومات کی تبلیغ اور عصری مسائل پر اظہار رائے ہی تھا۔ اس میں نہ غزلیات شایع ہوئیں اور نہ ادبیات اردو پر تنقیدی مضامین۔ اخبارات کی طرح اس کا دائرہ کار مخصوص اور محدود تھا۔

یہ نہیں معلوم ہوسکا کہ مخزن العلوم بریلی کب تک جاری رہا۔ مخزن العلوم بریلی کے بعد دو اخباروں کے حوالے راجہ عنایت سنگھ عنایت کے مطبوعہ دیوان میں ملتے ہیں جن کے نام ہیں اخبار دبدبۂ قیصری بریلی اور اخبار مہر منیر بریلی۔ اخبار دبدبۂ قیصری بریلی کا اجرا ۱۸۷۸ء میں ہوا۔ اس کا مدیر شوبرت لال ورمن تھا۔ اخبار مہر منیر کا اجرا ۱۸۸۲ء میں ہوا۔ یہ دونوں اخبار دستیاب نہیں ہوئے۔ لہٰذا ان پر مزید گفتگو سر دست ممکن نہیں ہے۔

روہیلکھنڈ گزٹ | یہ اخبار ہفتہ وار تھا۔ چونکہ اخباروں کو ردی کے مول بیچنے کا عام رواج ہے، یہ اخبار بھی دستیاب نہیں ہوا۔ اس کے علاوہ ۱۹۴۷ء میں تقسیم ملک کے بعد جو حالات پیدا ہوئے ان کے زیر اثر کافی علمی و ادبی سرمایہ ردی کے مول فروخت ہوا یا پھر انتقال مکانی کی وجہ سے دسترس کے باہر ہوگیا۔ محض حسن اتفاق کہ سید عابد مہدی مرحوم (م ۱۹۵۳ء) زمیندار، وکیل فوجداری اور ہیڈ ماسٹر اسلامیہ ہائی اسکول بریلی کے یہاں روہیلکھنڈ گزٹ بریلی شمارہ ۸ مارچ سن ۱۹۳۰ء مطابق ۶ شوال المکرم ۱۳۴۸ھ کے سرورق کا بالائی نصف حصہ دستیاب ہوا جو ہمارے پیش نظر ہے اور جس سے مندرجہ ذیل معلومات فراہم کی گئی ہیں:

ورق کی لمبائی اکیاون سینٹی میٹر۔ چوڑائی تینتیس سینٹی میٹر۔ چار کالمی۔ کاغذ سفید چکنا۔ کتابت عمدہ اور جلی۔ سرورق پر جلی قلم سے یہ تحریر ملتی ہے۔

"روہیلکھنڈ کے صدر مقام شہر بریلی کا مشہور آزاد و دلچسپ ہفتہ وار اخبار جو چالیس سال سے نہایت کامیابی کے ساتھ جاری ہے۔"

اس تحریر سے یہ مستفاد ہوا کہ روہیلکھنڈ گزٹ بریلی سن ۱۸۹۰ء میں جاری ہوا۔ اس کے علاوہ شرح قیمت جو سرورق پر شایع ہوئی اس کی چار قسمیں ہیں یعنی والیان ریاست، رؤساء و حکام، عام اصحاب اور طلباء سے شرح قیمت علٰحدہ علٰحدہ مقرر کی گئی۔ شرح قیمت کے طول سے معلوم ہوتا ہے کہ روہیلکھنڈ گزٹ اس عہد کی ریاستوں اور روسا و حکام میں بھی باریاب تھا۔ چونکہ والیان ریاست، امراء اور حکام برٹش راج سے موافقت رکھتے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ روہیلکھنڈ گزٹ نے معتدل پالیسی پر عمل کیا اور جانبداری و ٹکراؤ کا رویہ اختیار نہیں کیا۔ یہی اس کی آزاد پالیسی تھی۔

اس ہفتہ وار کے سرورق کے مطابق پروپرائٹر، پرنٹر اور پبلشر کا نام محمد عبدالحمید اور ایڈیٹر کا نام مرزا اثر چغتائی تھا۔

محمد عبدالحمید کا تعلق پنجابیان کی شمسی برادری سے تھا اور وہ مہرالٰہی کلیم مدیر روزنامہ اخبار بریلی کا برادر کلاں تھا۔ شمسی برادری میں ان دونوں بھائیوں کو "بڑے ایڈیٹر" اور "چھوٹے ایڈیٹر" کہا جاتا تھا۔ دونوں نے ہی صحافت کو بطور پیشہ اختیار کیا تھا اور دونوں ہی اپنے پیشے میں کامیاب ہوئے۔

مرزا اثر چغتائی کا نام نوشہ علی بیگ تھا لیکن وہ مشہور اپنے تخلص سے ہوا۔ اس کا مکان محلہ اعظم نگر بریلی میں تھا۔ شاعر، ڈرامہ نگار اور مصور تھا۔ اپنے تحریر کردہ ڈرامے خود ہی اسٹیج کرتا اور پردے بھی خود ہی تیار کرتا تھا۔ اس کا تمام سرمایۂ شاعری، ڈرامے اور پردے ضایع ہو گئے۔ اس کی وفات سنہ ۱۹۵۶ء کو ہوئی۔ ایک ایسے صاحب ذوق کی

ایڈیٹر ہی کسی بھی اخبار کی کامیابی کی ضمانت ہے۔

روہیلکھنڈ گزٹ کے مذکورہ نصف ورق پر جو مضامین اور خبریں شایع ہوئیں ان کے عنوانات مندرجہ ذیل ہیں:

"شام کے آثار قدیمہ" از سید حفیظ الدین ایجوکیشنل ڈیپارٹمنٹ گورنمنٹ آف انڈیا، دہلی۔

"زمینداروں کو گول میز کانفرنس میں نمایاں نمائندگی دی جائے۔ جائداد کی ضبطی کے متعلق کوئی قانون پاس نہ کیا جائے"۔

"گاندھی جی نے ایک انگریز کے ہاتھ اپنا ہوشربا الٹی میٹم روانہ کر دیا۔ آٹھ دن کی مہلت عنایت کی گئی ہے۔ دو ہفتے کے بعد سول نافرمانی کی دھمکی"۔

"گاندھی جی کا الٹی میٹم لاپرواہی کی ٹوکری میں۔ الٹی میٹم کی شرائط منظور کرنا تو درکنار گورنمنٹ گاندھی جی کو مطمئن کرنے کی بھی کوشش نہ کرے گی۔ وائسرائے اور ایگزیکیوٹو کونسل میں مشورے"۔

"سول نافرمانی کس طرح شروع کی جائے گی؟ تین تین والنٹیروں کے جتھے ساحل پر جا کر نمک تیار کریں گے"۔

"شنواریوں نے بغاوت شروع کر دی۔ پشاور کی سنسنی خیز اطلاعیں"۔

"تاہمن کے ایک جنگل میں شیر جنگ کی گرفتاری۔ باپ کے کہنے پر اپنے آپ کو پولیس کے حوالے کر دیا"۔

ان خبروں سے جہاں روہیلکھنڈ گزٹ بریلی کی زمینداروں کے مفاد سے دلچسپی کا اظہار ہوتا ہے وہاں کانگریس کی تحریک آزادی سے ہمدردی کا بھی احساس ہوتا ہے۔

یہ خبریں بھی کل ہند سطح کی ہیں۔ "شام کے آثار قدیمہ" پر مضمون کی اشاعت سے روہیلکھنڈ گزٹ بریلی اور اس کے قارئین کے اعلیٰ معیار کا ثبوت ملتا ہے۔ خبروں کی سرخیوں کا طور مدیر کی صحافی صلاحیت کا غماز ہے۔

روہیلکھنڈ گزٹ بریلی اور اس کا مطبع تقسیم وطن کے بعد ختم ہوگیا۔ عبدالرشید خاں نے اپنے رشید المطابع۔ نینی تال روڈ۔ بریلی سے روہیلکھنڈ گزٹ تقسیم وطن کے بعد ضرور جاری کیا لیکن اخبار اور مطبع دونوں ہی ختم ہو گئے۔ اس وقت یہ طے کرنا مشکل ہے کہ محمد عبدالحمید کے روہیلکھنڈ گزٹ اور عبدالرشید خاں کے روہیلکھنڈ گزٹ میں کیا تعلق تھا۔ دونوں ایک ہی سلسلے کی کڑیاں تھے یا دونوں علٰحدہ علٰحدہ حیثیت رکھتے تھے، معلوم نہیں۔

آریہ پتر | بریلی میں آریہ سماج کی شاخ ۱۸۸۳ء میں قائم ہوئی۔ آریہ پتر بریلی آریہ سماج بریلی کا ہفتہ وار اخبار تھا جس کا اجرا ۱۸۹۵ء میں ہوا۔ اس ہفتہ وار نے آریہ سماج کا پرچار کیا، مذہبی اور فلاحی کاموں میں دلچسپی لی اور اردو شاعری کو فروغ بخشا۔ بریلی کے ہندو شعراء جن میں بعض کا شمار صفِ اساتذہ میں کیا جاتا ہے، آریہ سماج سے وابستہ تھے۔ ان شعراء کو نام و نمود دینے میں آریہ پتر بریلی کا بڑا ہاتھ ہے۔ آریہ پتر نے اہل ہنود میں اردو شاعری کو مقبول بنایا۔ مثلاً بلدیو پرشاد سوزاں بریلی (م ۱۹۶۴ء) بریلی کے بیشتر ہندو شعراء کے استاذ تھے اور استاذ و تلامذہ سب ہی آریہ سماجی تھے۔

یہ بہت ہی تکلیف دہ اتفاق ہے کہ آریہ پتر بریلی کے فائل محفوظ نہیں ہیں۔ مجھے کوشش بسیار کے بعد صرف ۱۶ جنوری ۱۹۳۲ء کا ایک شمارہ دفتر آریہ سماج بریلی سے فراہم ہوا جو اس وقت پیش نظر ہے۔[۲]

آریہ پتر بریلی کے ساتھ شوبرت لال ورمن (۱۸۶۰ء - ۱۹۳۹ء) کا نام وابستہ ہے۔

جن کی حیات اور تصنیفات پر ایک کل ہند سمینار ۱۸ اور ۱۹ اگست ۱۹۹۱ء کو مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں ہو چکا ہے۔ شوبرت لال ورمن عین جوانی میں بریلی تشریف لائے اور ہفتہ وار دبدبۂ قیصری (۱۸۷۸ء) کا اجراء کیا۔ اس کے بعد انھوں نے آریہ سماج میں شامل ہو کر ۱۸۹۵ء میں آریہ پتر کا اجرا کیا۔ انھوں نے ہی فروری ۱۹۰۳ء میں بریلی سے "زمانہ" جاری کیا جو بعد کو کانپور سے شایع ہو کر مقبول ہوا۔

ہفتہ وار آریہ پتر بریلی کے ۱۶ جنوری ۱۹۳۲ء کے شمارے میں چھ اوراق تین رنگوں میں ہیں، سفید، ہرا اور گلابی یعنی دو اوراق ایک رنگ کے۔ ورق کی لمبائی چونتیس سینٹی میٹر اور چوڑائی چھبیس سینٹی میٹر ہے۔ ہر ورق میں تین کالم ہیں اور ہر کالم کا مسطر چھتیس سطری ہے۔ کتابت خفی اور طباعت اوسط درجے کی ہے۔ کاغذ چکنا اور ولایتی ہے۔ اس کے منیجر پرنٹر اور پبلشر کا نام بابو اودھم سنگھ اور مطبع کا نام آریہ اناتھ آلہ پریس زیر کتب خانہ بریلی ہے۔ آریہ پتر بریلی کے سرورق کی تحریر کے مطابق آریہ سماج اناتھ آلے بریلی کا آرگن تھا۔ قیمت سالانہ عہ (دو روپیہ آٹھ آنہ۔ موجودہ دو روپیہ پچاس پیسے) قیمت ششماہی عہ (ایک روپیہ آٹھ آنے موجودہ ایک روپیہ پچاس پیسے)۔ سرورق پر آریہ پتر بہ قلم خفی ناگری رسم الخط میں بھی تحریر ہے۔ سرورق پر ہی سوامی دیانند کی وصیت (۱) اناتھ پکار (۲) شانتی اور دھرم کا پرچار مندرجہ ذیل شعر کے ساتھ درج کی گئی ہے۔

راستی سیدھی سڑک ہے اس میں کچھ کھٹکا نہیں — کوئی راہرو آج تک اس راہ میں بھٹکا نہیں

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ شعر آریہ پتر بریلی کے ہر شمارے میں سرورق پر طبع ہوتا تھا۔ اس شعر کے علاوہ مذکورہ شمارے میں کلام نظم نہیں ہے۔ اس وقت یہ طے کرنا کہ کلام نظم صرف مذکورہ شمارے میں نہیں شایع ہوا یا اس سے کچھ پہلے اور کچھ بعد کو

بھی شایع نہیں ہوا، مشکل بات ہے کیونکہ پورا فائل پیش نظر نہیں ہے۔

مذکورہ شمارے سے اس کے مقاصد اشاعت دریافت کیے جا سکتے ہیں جو واضح طور پر دو ہیں۔ (۱) آریہ دھرم کا پرچار (۲) ہندوستان کی تحریک آزادی میں کانگریس پارٹی کی حمایت۔ اس ہفتہ وار میں مقصد اول یعنی آریہ دھرم کے پرچار کے سلسلے میں جو طریقے اختیار کیے گئے ان کا اختصار یہ ہے:

۱۔ ایک کالم میں وید منتر سنسکرت میں شایع ہوا جس کا ارتھ یعنی مطلب اردو رسم الخط میں پیش کیا گیا ہے۔ یہ کالم مستقل معلوم ہوتا ہے۔ مذکورہ وید منتر دعائیہ ہے۔ عمدہ اوصاف حاصل کرنے کی آرزو کی گئی ہے۔

۲۔ آریہ سماج کی کارکردگی کا تذکرہ اور اسی سلسلے میں سات فروری سے نو فروری سنہ ۱۹۳۲ء کو بریلی میں ہونے والے کل ہند آریہ سماج اجلاس کے لیے ہم خیال افراد سے معاونت کی اپیل۔ اخبار کا اداریہ بھی اسی موضوع پر ہے۔

۳۔ آریہ سماج اناتھ آلہ بریلی کا سنگ بنیاد سنہ ۱۸۸۸ء میں رکھا گیا تھا جس کے ذمے آج بھی ہندو اناتھ بچوں کی پرورش اور تعلیم و تربیت کا انتظام ہے۔ چونکہ یہ اخبار اسی اناتھ آلہ کا آرگن تھا، اس کے کئی کالم اناتھ آلہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ مثلاً ایک اشتہار میں اناتھ آلہ میں داخلے کا طریقہ بتایا گیا ہے۔ دوسرے اشتہار میں شادی کے لایق اناتھ لڑکیوں کے رشتے کی ضرورت شایع کی۔ چندہ دہندگان اور معطیان کی فہرست چار کالموں میں شایع کی۔ پردھان اناتھ آلہ بریلی نے ایک نوٹ آریہ سماج اناتھ آلہ بریلی کی مدد کے لیے شایع کرایا۔

اس اخبار کا سیاسی مقصد یعنی ہندوستان کی تحریک آزادی میں کانگریس پارٹی

کی حمایت کا رویہ اس کی خبروں کے کالم سے واضح ہوتا ہے۔ خبروں کا تعلق کانگریس پارٹی کی جدوجہد آزادی اور اس کی مخالفت میں انگریزوں کی طرف سے کیے ہوئے اقدامات جیسے دفعہ ۱۴۴ کا نفاذ، پریس کی ضبطی، گرفتاریاں اور سزاؤں وغیرہ سے ہے۔ بریلی کی خبریں زیادہ سطروں میں ہیں کیونکہ اس شمارے میں میونسپل بورڈ اور ڈسٹرکٹ بورڈ بریلی کے انتخاب عہدیداران کی رپورٹ بھی شایع ہوئی ہے۔ اخبار کے پانچ کالموں میں سیاسی صورت حال کے متعلق "گورنمنٹ ہند کا بیان" "ناظرین کی دلچسپی کے لیے" شایع کیا گیا، جس کی اس وقت حیثیت ایک تاریخی دستاویز کی ہے۔ بعض خبریں جیسے "گول میز کانفرنس کی کیٹیاں"، "برما کا مستقبل"، "مہاتما جی کو کسی پہاڑی مقام پر تبدیل کرنے کی تجویز" وغیرہ کچھ تفصیلی ہیں۔ ایک مضمون منشی سیتارام کا بعنوان "گورنمنٹ اور اخبارات" شایع ہوا۔

مذہبی اور سیاسی خبروں کے علاوہ عام دلچسپی کی خبریں بھی شایع ہوئیں۔ تجارتی اشتہارات اور عدالتی سمن بھی شایع ہوئے جن کی تعداد ہمت افزا ہے۔ اس سے یہ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ یہ ہفتہ وار خود کفیل اور مقبول تھا۔

آریہ پتر بریلی کے مطالعے کے بعد ایک دلچسپ بات جو سامنے آئی وہ اس کی زبان ہے جس کے تین اطوار ہیں۔ خالص ہندی۔ خالص اردو اور ہندوستانی۔ خالص ہندی سنسکرت آمیز ہے اور مروجہ ہندی کے مقابلے میں سخت اور مشکل۔ اس کو بھی اردو رسم الخط میں شایع کیا گیا ہے۔ مثلاً وید منتر کے ارتھ کا مندرجہ ذیل اقتباس:

"ہے اننت سہن سروپ! آپ متر امتر بھی۔ ڈشٹ سبھاو جن کی ہر پرکار کی چیشٹاؤں کو سہن کرتے ہو۔ مجھ میں بھی آپ سہن سامرتھ دھارن کراؤ۔ میں بھی سہن شیل ہوں۔ ہے پتا! شریر۔ اندریہ۔ من اور آتما۔ ان کے تیج آدی گن کبھی

دور نہ ہوں ۔ میں آپ کی بھکتی کا استھر انوشٹھان کروں اور آپ کی انوگرہ سے سنسار میں ساری آیو سکھی رہوں۔" (ص ۲ ۔ کالم ۱)

خالص ہندی کا ایک اور نمونہ مندرجہ ذیل ہے :

" آریہ جنتا جس مہا سمیلن کے لیے ا تسک ہو رہی تھی وہ اب سمیپ ہی آ گیا ہے سمیلن کی کیا اویشکتا ہے اس میں ایکترت ہو کر آریہ جن کیا کریں گے ورتمان آرتھک سنکٹ کے سمے بھی اس مہا سمیلن کے کرنے کی کیوں آویشکتا ہوئی کیا واستو میں آریہ سماج سنکٹ میں ہے کیا دیش کی پراستھتی کو لکش میں رکھتے ہوئے ہم سمیلن دوارا کچھ لابھ اٹھا سکیں گے اتیادی پرشنوں پر پرکاش ڈالنے کے نمت کچھ وچار آپ کے سامنے پرستت کیے جاتے ہیں۔" (ص ۸ ۔ کالم ۱)

اس اخبار میں خالص اردو کے دو نمونے ملتے ہیں ۔ ایک وہ نمونہ جو خبروں میں ملتا ہے اور دوسرا وہ ادبی نمونہ جس کا اظہار مضامین میں ہوا ۔ اول الذکر نمونے کی مثال یہ ہے :

" لکھنؤ ۔ نواب چھتاری ۱۲ جنوری کو اپنے جدید عہدے کا چارج لیں گے ۔ خبر ہے سر نظام اللہ خاں ہوم ممبر یو پی مقرر ہوئے ہیں ۔ نیز یہ بھی خبر ہے کہ گورنمنٹ کی مالی مشکلات کے باعث تیسرے منسٹر کا تقرر نہ ہوگا" (ص ۱ ۔ کالم ۲)

" جرمنی کے چانسلر ڈاکٹر برنگ نے ایک اسٹیٹمنٹ نکال کر مشتہری کر دی کہ جرمنی قرضہ ادا کرنے میں بالکل مجبور ہے ۔ اس سے یورپ میں سخت ہلچل مچ گئی ہے"۔ (ص ۱ ۔ کالم ۳)

خالص اردو کے ادبی نمونے کی مثال یہ ہے :

" اکثر لوگ از روئے کم فہمی اخبارات کو بدیں سبب کہ جو مضامین اخبارات میں شائع

ہوتے ہیں وہ گورنمنٹ عالیہ کی نظر کیمیا اثر کے شرفِ ملاحظہ سے محروم رہتے ہیں وقعت کی نگاہوں سے نہیں دیکھتے بلکہ بازیچۂ اطفال تصور کرتے ہیں ۔ ہم ایسے کوتاہ اندیشوں اور کم فہموں کو آگاہ کرنے کے واسطے کہتے ہیں کہ گورنمنٹ رطب و یابس مضامین مندرجۂ اخبار کو نہیں سنتی بلکہ گورنمنٹ کے ملاحظہ میں ان مضامین کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے جو پولیٹیکل پیرایے سے مزین ہوتے ہیں یا جن میں رعایا کی بہبودی اور بہتری کی تدابیر بتائی جاتی ہیں ......" (ص ۲ ۔ کالم ۳)

اردو ہندی مخلوط زبان کے بھی دو نمونے ملتے ہیں ۔ پہلا نمونہ اس تحریر کا ہے جو اپنے طور میں اردو ہے لیکن اس میں ہندی الفاظ شامل کیے گئے ۔ مثلاً :

" شری پوجیہ سوامی شردھا نند جی مہاراج کی شہادت کے بعد بھی ہم نے یہ پرتگیا کی تھی ۔

ہوا آج بھارت پہ قربان سوامی ہمیں بچہ بچہ کٹانا پڑے گا

دھرم ویر آریہ مسافر شری پنڈت لیکھ رام بلیدان ہو جانے پر بھی اس قسم کے بھاؤ آریہ سجنوں نے پرگھٹ کیے تھے ۔ کیا آریہ سجن اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر کہہ سکتے ہیں کہ انھوں نے اپنے قول کو عملی جامہ پہنایا ....؟" (ص ۳ ۔ کالم ۲)

دوسرا نمونہ اس تحریر کا ہے جس میں اردو اور ہندی کے اختلاط سے ایک اسلوب کی جھلک پیدا ہوئی جس کو ہندوستانی کہا جا سکتا ہے ۔ مثلاً :

اب میں آریہ جگت کے ان سنیاسی مہاتماؤں نیز عالم مہوپدیشکوں سے بھی گذارش دست بستہ کرنا چاہتا ہوں کہ وے براہِ مہربانی ان ضروری لازمی امور کو جو کہ سدھانت روپ میں اختلاف رکھتے ہوں نیز چھاپہ خانہ کی غلطیوں سے جو آئے دن خوفناک شکل اختیار کرتے جا رہے ہیں جس کے باعث آریہ ودوان کو مشکلات کا

سامنا شاشترارتھ اور مباحثہ کے وقت کرنا پڑتا ہے اس کو کس طرح سدھانت کے مطابق لایا جاوے اس کے متعلق بھی اپنے اپنے خیالات کا اظہار کرکے اپنا فرض ادا کریں.....'' (ص ۶۔ کالم ۱)

ہفتہ وار آریہ پتر بریلی میں زبان کے ان نمونوں سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ ہندوستان کی سیاسی مذہبی اصلاحی اور فلاحی تحریکات میں اردو نے مثبت کردار ادا کیا اور وہ ایک کامیاب وسیلۂ ابلاغ بنی رہی۔ البتہ وقت گزرنے کے ساتھ جب ہماری قومی زندگی کے ان عناصر نے جن سے قومیت کی تشکیل ہوئی تھی اپنی اپنی علیحدہ پہچان بنانی چاہی تو اس رویہ سے اردو بھی متاثر ہوئی اور وہ جملہ قومی اوصاف سے مزین ہونے کے باوجود بھی اپنی اس ناگزیر حیثیت سے محروم ہوگئی جس کے تحت آریہ سماج کے اخبارات اردو میں شایع ہوتے تھے اور وید منتروں کا ارتھ اردو میں پیش کیا جاتا تھا۔

ہفتہ وار آریہ پتر بریلی ۱۹۴۰ء میں بند ہوا[۴]۔ اس وقت اس کے سرپرست ڈاکٹر شیام سروپ تھے[۵]۔ (باقی)

حواشی

۱ مرزا نوشہ علی بیگ اثر چغتائی نے گمنامی میں وفات پائی۔ مجھے ان کے حالات ان کے داماد مرزا انور بیگ انور چغتائی سکنہ مولا نگر بریلی سے ہمدست ہوئے ۲ مجھے ڈاکٹر شعاع اللہ خاں رامپوری نے اپنے خط مورخہ ۱۱ مارچ ۱۹۹۳ء کے ذریعہ یہ اطلاع دی کہ ''مجھے بھی آریہ پتر کا ایک شمارہ خدابخش لائبریری پٹنہ میں دیکھنے کو ملا جو مارچ ۱۹۱۶ء کا شمارہ ہے اور اس پر جلد ۲۰ شمارہ ۳ درج ہے۔ یہ ۵۶ صفحات پر مشتمل ہے۔'' ۳ آریہ سماج اناتھ آلہ بریلی کے متعلق معلومات دفتر آریہ سماج بہاری پور بریلی سے حاصل کی گئی ہیں ۴ ہمارے استفسار پر جناب

پرتاب چندر آزاد بریلوی نے اپنے خط مورخہ ۲۸ فروری ۱۹۹۳ء کے ذریعہ آریہ پتر بریلی کے بند ہونے کی بابت تحریر کیا کہ وہ ۱۹۴۰ء میں بند ہوا۔ جناب پرتاپ چندر آزاد بریلوی آریہ سماج بریلی سے وابستہ ہیں اور رامپور باغ بریلی میں سکونت رکھتے ہیں ۵ ڈاکٹر شیام سروپ باعتبار پیشہ فزیشین اور سرجن تھے۔ انھوں نے ترک و تیاگ میں زندگی بسر کی۔ لباس بھی بقدر ضرورت زیب تن کرتے تھے۔ ان کی کار کا پرانا فورڈ ماڈل بھی ترک و تیاگ کا نمونہ تھا۔ ان کو فوت ہوئے چار دہوں سے زیادہ کی مدت گزر چکی۔

الفاروق (حصہ اول و دوم)

یہ کتاب دو حصوں میں ہے اس میں خلیفۂ دوم حضرت عمر فاروقؓ کی زندگی اور طرز حکومت کی مکمل تفصیل بیان کی گئی ہے حضرت عمرؓ کے روحانی تقدس اور مذہبی عظمت کا ذکر عموماً ہر کتاب میں ملتا ہے لیکن انکے مدبرانہ دماغ نے نظام حکومت کے جو اصول و آئین مرتب کیے تھے اور جو وسیع نظام سلطنت قائم کیا تھا اسکے مختلف شعبوں اور جزئیات صیغۂ محاصل محکمۂ آبپاشی صیغۂ عدالت محکمہ قضا، دا فتا، فوجداری اور پولیس، بیت المال، محکمۂ پبلک ورکس، صیغۂ فوج، صیغۂ تعلیم وغیرہ کو علامہ شبلیؒ نے اس کتاب میں بڑی تفصیل اور صحت کے ساتھ پیش کیا ہے اس طرح یہ کتاب حضرت عمرؓ کی سیرت و اخلاق، فتوحات، حکومت و فرمانروائی کے جاہ و جلال، مساوات و آزادی اور عدل و انصاف کا پورا مرقع ہے۔

افسوس ہے کہ یہ مایۂ ناز تصنیف عرصہ سے ختم ہوگئی تھی اور بعض خود غرض اور غیر ذمہ دار ناشرین ایسے بلا اجازت مسخ شدہ صورت میں معمولی اور ردی کاغذ پر چھاپ کر فروخت کر رہے تھے اسی لیے اہل نظر کو اسکے عمدہ اور اعلیٰ ایڈیشن کا بے چینی سے انتظار تھا الحمدللہ اب دارالمصنفین نے اس کا نیا عکسی ایڈیشن بہت خوبصورت شایع کیا ہے جس کو دیکھکر اہل نظر خوش ہونگے۔

قیمت: ۱۹۵ روپیے

طبی عمرانیات کا اسلامی نقطۂ نظر

از ڈاکٹر نثار احمد فاروقی، دہلی

اسلامی طبی عمرانیات کی بنیاد فطرتِ سلیم کی تعمیر پر ہے جس کا حصول اخلاقی ضابطوں کو عادتِ ثانیہ بنانے بغیر ممکن نہیں اور اخلاقی ضابطے وہ معتبر نہیں ہو سکتے جو ہمارے سماجی تجربات نے بنائے ہوں یا جن کا مصدر فلسفۂ عمرانیات ہو۔ اسلامی اخلاقیات کا سرچشمہ وحی الٰہی ہے' اس لیے اسلام میں سب سے اعلیٰ، اکمل اور دلکش نمونہ سیرۃ طیبہ ہے: "لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ" (الاحزاب ۳۳: ۲۱) اسوۂ حسنہ کے مکمل اتباع ہی میں اسلامی طبی عمرانیات (MEDICAL SOCIOLOGY) کی بنیاد بھی مل جاتی ہے۔

صحت جسمانی کے لیے اعضا و جوارح کی ظاہری پاکیزگی مطلوب ہے جو طہارتِ باطنی کا زینہ اور قلب سلیم کی ضمانت ہے: "يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَلَا بَنُونَ إِلَّا مَنْ أَتَى اللَّهَ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ" (الشعراء ۲۶: ۸۹) بہت سی جسمانی بیماریاں اخلاقی کمزوریوں سے پیدا ہوتی ہیں اور اخلاقی عیوب جسمانی نجاست سے وجود میں آتے ہیں جو خیالات کی پراگندگی اور قلب و دماغ کی سراسیمگی کا باعث ہوتے ہیں۔ نماز کا فائدہ قرآن کریم نے یہ بتایا ہے کہ "إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَلَذِكْرُ اللَّهِ أَكْبَرُ" (العنکبوت ۲۹: ۴۵) فحشاء، منکر' اور تنہیٰ ان لفظوں نے انفرادی اور

اجتماعی اخلاق کا پورا احاطہ کر لیا ہے۔ زنا کو قرآن نے فحشاء میں شمار کیا ہے: "لَا تَقْرَبُوا الزِّنَىٰ إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَسَاءَ سَبِيلًا" (بنی اسرائیل ۱۷: ۳۲) اس زمانے میں جنسی بیماری ایڈز (AIDS) نے ساری مغربی دنیا میں جو دہشت پھیلا رکھی ہے وہ اسی "فحشاء" کے فروغ کا ثمرہ ہے۔

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ ساری بشریت کے لیے بہترین نمونہ (مثلِ اعلیٰ) ہے اور اس میں ایسی جامعیت کبریٰ ہے جس سے امیر، غریب، تاجر، سپاہی، معلم، صناع، اہل حرفہ غرض ہر سالک طریق کو روزمرہ کی زندگی میں ہدایت مل سکتی ہے۔ آپؐ کی زندگی افراد ہی کے لیے نمونہ نہیں ہے اس میں ہماری زندگی کے معاشی اور معاشرتی پہلوؤں کے لیے بھی رہنمائی موجود ہے: "هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ" (الجمعۃ ۶۲: ۲) اسوۂ حسنہ میں ہمارے نفوس کا تزکیہ بھی ہے، علم و حکمت کی روشنی بھی' جس سے اعتماد و یقین کی دولت حاصل ہوتی ہے' جسے قرآن مجید اپنی اصطلاح میں "اطمینانِ قلب" کہتا ہے: "أَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ" (الرعد ۱۳: ۲۸) یہ اطمینانِ قلب ذہنی اور جسمانی صحت کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا، اس سے ظاہر ہے کہ اسلامی عقائد، اعمال و عبادات ہی طبی عمرانیات کی بنیاد بھی ہیں۔

اسلامی نقطۂ نظر سے بہترین زندگی وہ ہے جو راہِ حق سے منہ نہ موڑے اور حق پر ثابت قدم رہنے کے لیے صبر کا دامن نہ چھوڑے۔ صبر جہاد و اجتہاد کا طالب ہے، استقامت کی ان شرائط کو پورا کرنے والے ہی صراط مستقیم یا جادۂ اعتدال

کے سالک کیے جا سکتے ہیں۔ صحت جسمانی کی اساس توازن و اعتدال ہی ہے، افراط اور تفریط دونوں ہی عناصر کے اعتدال کو درہم برہم کرتی ہیں اور اسی کا نام بیماری ہے اسلام کا پورا فکری نظام فلسفۂ اعتدال پر مبنی ہے اور اسلامی اخلاق کے اتباع سے ہمیں راہِ اعتدال میں استقامت حاصل ہوتی ہے۔ اگر عقائد اور اعمال میں صفتِ اعتدال موجود ہو تو نظام جسمانی اور اعضاء و جوارح بھی اعتدال کے خوگر ہو جاتے ہیں۔

سنت نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا اتباع کرنے والے ہزاروں لاکھوں انسانوں کی زندگیوں کے حالات و کوائف کتب سیر و تواریخ میں محفوظ ہیں ان میں صدہا وہ حضرات ہیں جنھوں نے سخت ترین مجاہدوں اور ریاضتوں سے بھری زندگی گزاری ہے۔ ہمارے صوفیہ تو قلت کلام، قلت طعام، قلت منام اور قلت الصحبۃ مع الانام کو راہ درویشی کے رہبر اصول بتاتے ہیں، یعنی صوفی کو چاہیے بے ضرورت اور فضول گفتگو نہ کرے، طبی اعتبار سے گفتگو کے دوران ہمارے جسم میں روشنی کے بہت چھوٹے ذرہ (CELLS) خرچ ہوتے ہیں ان کو بچا کر رکھنا تزکیہ و جلائے باطن کیلئے ضروری ہے۔ امراضِ جسمانی سے بچاؤ کی کوئی تدبیر ظاہر ہے کہ "قلتِ طعام" سے بڑھکر نہیں ہو سکتی۔ اکثر بیماریاں غذا کی بے اعتدالی اور پُرخوری و شکم پروری ہی سے جنم لیتی ہیں۔ کسی طبیب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنا مطب نہ چلنے کی شکایت کی تو آپ نے فرمایا کہ "ہمارے لوگوں کا قاعدہ یہ ہے کہ جب تک خوب بھوک نہیں لگتی کھانا نہیں کھاتے اور تھوڑی سی بھوک باقی رہتی ہے تو کھانے سے ہاتھ کھینچ لیتے ہیں" طبیب نے کہا کہ یہی ان کی صحت کا راز ہے۔ قلت طعام کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ ہر چیز جو بھوک کے عالم میں کھائی جاتی ہے تو ہضم ہو کر جزو بدن بھی بنتی ہے اور اللہ کی دی

ہوئی ہر نعمت کو پورے لطف و لذت کے ساتھ کھایا جاتا ہے، طبی تحقیق سیکڑوں سال پہلے سے اس نتیجے پر پہنچی ہوئی ہے کہ پُرخوری سے جسم کا وزن اور فضلات غیر متناسب طور پر بڑھتے ہیں اور سبک جسم والوں کی بہ نسبت فربہ اور بھاری جسم والوں کی شرح اموات زیادہ ہوتی ہے۔

"قلّتِ منام" یعنی کم سونے کے طبی فوائد بھی کچھ کم نہیں ہیں۔ کہتے ہیں کہ کم سونے والے طویل عمر پاتے ہیں، صوفیہ کہتے ہیں کہ اس فائدہ کو تو معمولی سا حساب جاننے والا بھی سمجھ سکتا ہے کہ ایک شخص مثلاً دس گھنٹے روزانہ سوتا ہے، دوسرا شب زندہ دار ہے اور مجموعی طور پر پانچ گھنٹے روزانہ سوتا ہے، زندگی وہی ہے جو عالم شعور و بیداری میں گزرتی ہے اس اعتبار سے پانچ گھنٹے سونے والے کی عمر اس شخص سے دوگنی ہوئی جو دس گھنٹے روز سوتا رہا ہے۔"

قلۃ الصحبۃ مع الانام یعنی کم با خلق پیوستن یا "باہمہ و بے ہمہ" ہونا ہے اس سے مقصود یہ ہے کہ غیر ضروری سماجی روابط نہ بڑھائے جس سے ذہنی الجھن بڑھتی ہے اعصابی تناؤ (HYPER TENSION) پیدا ہوتا ہے اور انسان ضروری خلوت (PRIVACY) سے بھی محروم ہو جاتا ہے۔ زیادہ بڑھے ہوئے سماجی روابط حرص و ہوس پیدا کرتے ہیں، ذہنی مرکزیت (CONCENTSATION) کا فقدان ہوتا ہے اور اس سے کتنے ہی ذہنی امراض یا نفسیاتی الجھنیں پیدا ہوتی ہیں۔ اہلِ تصوف کے یہ اصول خود ساختہ نہیں ہیں، قرآن و سنت سے ہی ماخوذ ہیں۔ دوسرے فوائد سے قطع نظر ان کی طبی حکمتیں بھی کسی طرح کم نہیں ہیں۔ اکثر زہاد، صلحاء، درویش اور سنتِ نبویؐ و اخلاق اسلامی پر کاربند رہنے والی شخصیات عمر طبیعی تک پہنچی ہیں، ان میں شاذ

ہی ایسے لوگ ملیں گے جو کسی موذی یا متعدی مرض میں گرفتار رہے ہوں، ان میں اکثریت ایسے حضرات کی ملے گی جنھوں نے کبھی دوا کا استعمال نہیں کیا، یا بہت ہی اضطرار کے عالم میں کیا۔ مسلسل طبی نگرانی یا دوائی علاج اور پرہیز وغیرہ کا تو بہتوں نے تصور بھی نہیں کیا۔ صوفیہ کی جن مجلسوں کا حال قلم بند کیا گیا ہے ان میں طبیب شاذ و نادر ہی ملتا ہے، بعد کی صدیوں میں کچھ صوفیہ نے نسخے بطور یادداشت لکھنے کی روایت قائم کی ہے۔ سولھویں صدی کے بعد بعض صوفیہ علم طب سے واقف بھی ملتے ہیں۔

اسلام جس معاشرہ کی تشکیل کرتا ہے اس کا شعار حکمت ہی ہے اسلیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "الحکمۃ ضالۃ المومن" (حکمت و دانائی مومن کا گمشدہ مال ہے) اسلام کا معاشرتی اخلاق صرف فلسفیانہ نظریات سے نہیں، عمل سے پیدا ہوتا ہے۔ ایمان کے مدارج اقرار باللسان، عمل بالجوارح اور تصدیق بالقلب تک وسیع کر دیے گئے ہیں۔ جو نور ایمان قلب کے ریشوں تک پہنچ گیا ہو وہ ہمارے نظریۂ حیات و کائنات پر بھی اثر انداز ہوتا ہے اور یہی اسلامی فکر کے آفاقی ہونے کی ضمانت دیتا ہے۔

معاشرہ افراد سے بنتا ہے، جہاں افراد صالح ہوں معاشرہ لامحالہ متوازن ہوگا۔ اسلام فرد کی اصلاح سے معاشرہ کی تعمیر کا آغاز کرتا ہے۔ فرد کی اصلاح کے لیے نفسانی خواہشوں پر قابو پانا ضروری ہے اس لیے قلب کو مرکزی حیثیت دی گئی ہے۔ صوفیہ نے قلب کی مسلسل نگرانی کے لیے "مراقبہ" اور توجہ باطنی کا طریقہ اختیار کیا ہے تاکہ وہ قلب سے گزرتے ہوئے خیالات و خواہشات کی رو (جسے عربی میں "خواطر" کہا جاتا ہے) کا احتساب کرتے رہیں۔ خواہشات پر قابو پانے کی ایک

صوفیانہ تاویل یہ بھی ہے کہ قرآن کریم میں کہا گیا ہے: "اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ بِاَنَّ لَھُمُ الْجَنَّةَ" (التوبة ۹: ۱۱۱) بائع کے لیے اس چیز کا مالک ہونا ضروری ہے جسے وہ فروخت کر رہا ہے۔ مجاہدات کے ذریعہ نفس کو قابو میں رکھنے کا یہی جواز ہے۔

لیکن طبی اعتبار سے بھی ضبط نفس، احتساب، خواہشوں پر قابو یا نفس کشی کی بڑی اہمیت ہے، صدہا بیماریاں وہ ہیں جو بیمار خیالات سے پیدا ہوتی ہیں جنھیں اب نفسیاتی معالج (PSYCHIATRIST) خیالات ہی کو رو براہ کر کے ٹھیک کرتے ہیں۔

اسلام وسائل حیات کو اجتماعی ملکیت سمجھتا ہے، ساری کائنات قانون فطرت کی تابع ہے اور قانون فطرت میں تغیر و تلون نہیں ہے (فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰہِ تَبْدِیْلًا وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰہِ تَحْوِیْلًا" فاطر ۳۵: ۴۳)

ابر و باد و مہ و خورشید و فلک در کارند — تا تو نانی بکف آری و بغفلت نخوری
چوں ہمہ گشتہ مسخر پئے فرمان تو اند — شرط انصاف نباشد کہ تو فرمان نبری

اللہ تعالیٰ کی بے شمار مخلوقات چرند، پرند، حشرات الارض اور آبی جانور جو فطری اصول سے قریب تر زندگی گزارتے ہیں ان کے روزمرہ کے معمولات حتیٰ کہ توالد و تناسل کے اصول بھی کچھ فطری ضابطوں کے پابند ہیں اس لیے ان میں وہ سیکڑوں بیماریاں نہیں پائی جاتیں جو انسان کے پیچیدہ تہذیبی معاشرہ کی پیداوار ہیں۔ وہی حیوان زیادہ بیمار ہوتے ہیں جو انسان کے مصنوعی غیر فطری معاشرہ سے قریب تر رہتے ہیں۔ اسی طرح انسانی معاشرہ میں ایسی بہت سی اخلاقی بیماریاں ہیں جن سے عالم حیوانات

قطعاً آشنا نہیں۔ اسلام نے ایسی اخلاقی بیماریوں کی سختی سے مخالفت کی ہے مثلاً شراب خوری، زناکاری، قماربازی، ہم جنس پرستی، سود خواری وغیرہ، یہ معائب بہرحال مسلمانوں کے معاشرہ میں ان اقوام کی بہ نسبت کمتر ہیں جن کو اس کے لیے مذہبی رخصت بھی حاصل ہے۔

اسلام نے معاشرہ کے لیے جو لازمی اصول وضع کیے ہیں وہ تمام تر طبی حکمت پر مبنی ہیں اور ان کی پابندی کرنے والے اشخاص میں غیر معمولی روحانی قوت اور مدافعت پیدا ہوتی ہے جو ہر قسم کے خبائث کو دور رکھتی ہے۔ علم طب کا مقصد بھی محض فرد کی صحت کی نگہداشت کرنا نہیں ہے یہ ہمارے معاشرہ کی بقا، صحت و سلامتی اور اس میں فطری اعتدال و توازن کے قیام کی ضمانت دیتا ہے اس لیے علم طب کے دائرۂ اثر میں ہماری زندگی کا ہر شعبہ آجاتا ہے۔ علم طب سے ہمارا تعلق مضغۂ جسم میں نفوذ روح سے بھی پہلے سے قائم ہوتا ہے اور یہ مرنے کے بعد آخری رسوم ادا ہونے تک قائم رہتا ہے۔ چنانچہ طب کو جہاں اس سے تعلق ہے کہ بچہ صحت مند، توانا اور خوش شکل پیدا ہو وہیں وہ اس کی نگرانی بھی کرتی ہے کہ جسد مردہ کو کس طرح طبی اصول کے تحت دفن کیا جائے کہ وہ جسد بھی مفاسد سے محفوظ رہے اور اس کے سبب سے ماحول میں بھی عفونت اور آلودگی پیدا نہ ہو۔

اسلام کی طرح علم طب بھی صحت مند معاشرہ کی تعمیر کے لیے افراد کا صحت مند ہونا ضروری سمجھتا ہے۔ اسلام نے شراب اور زنا کو بدترین جرم قرار دیا ہے اور اس کی سزا بھی سخت عبرت انگیز رکھی ہے۔ اس کو اسلامی طبی عمرانیات اور گہرے حکیمانہ معاشرتی و اخلاقی شعور ہی کا ایک حصہ سمجھنا چاہیے۔ حال ہی میں واشنگٹن کے

دماغی صحت پر ریسرچ کرنے والے قومی ادارہ کی رپورٹ میں کہا گیا تھا کہ امریکا میں ۲۰٪ فی صد آبادی دماغی خلل کا شکار ہے اور اس کا سب سے بڑا سبب شراب ہے جس کا اثر بچوں کی ذہنی اور جسمانی نشوونما پر پڑتا ہے۔ دماغی امراض کی ایسوسی ایشن کے صدر ڈاکٹر کیرول سی اینڈلسن کا کہنا ہے کہ امریکا میں تقریباً ایک کروڑ بیس لاکھ اسکولی بچے کسی نہ کسی قسم کے ذہنی خلل کا شکار رہیں۔ اس کا سبب اعصابی تناؤ، جنسی بے راہ روی، طلاقوں کی کثرت اور نشیلی ادویہ کا استعمال ہے۔ پچھلے سال "آل چائنا ومین فیڈریشن" نے اپنی سالانہ روداد میں کہا تھا کہ چینی عدالتوں میں پیش ہونے والے طلاق کے مقدموں میں ۲۵ فی صد کا سبب زناکاری کا بڑھتا ہوا رجحان ہے۔ چینی قانون میں زناکاری قابل تعزیر جرم نہیں ہے۔

اسلام کے حکیمانہ تمدن کی گرفت جنسی زندگی کے لمحۂ اولین سے شروع ہوتی ہے اور مرنے کے بعد تجہیز و تکفین تک ہی نافذ نہیں رہتی بلکہ یہاں آخرت کا تصور بھی ہے جس میں تمام اعمال کا محاسبہ ہوتا ہے۔ فن طب اور اسلام کا دائرۂ اثر خاصے طویل زمانے تک مشترک اور متوازی رہتا ہے، بس اتنا فرق ہے کہ اسلام جن معاشرتی قوانین کو وحی الٰہی سے اخذ کرکے نافذ کرتا ہے علم طب انہیں فطری اصولِ حیات کی روشنی میں دیکھتا ہے۔

اس کائنات میں فطرت کی تمام نعمتیں عام اور ارزاں ہیں۔ زندگی سب انسانوں بلکہ ہر ذی روح کو یکساں اصولِ فطرت کے تحت ملی ہے، سب کی جبلتیں یکساں ہیں، ضرورتیں ایک سی ہیں، جو غیر صحت مند عناصر ہم دیکھتے ہیں وہ ہمارے تصورات اور طرز فکر سے اپجتے ہیں۔

یہ تصورات خواہ حیات و کائنات کے بارہ میں ہوں یا زندگی اور اخلاقیات کے رشتے سے تعلق رکھتے ہوں۔ انہیں سے ہمارے معاشروں میں اختلاف پیدا ہوا ہے اور ان اختلافات نے وسائل حیات سے فائدہ اٹھانے کے مواقع بھی مختلف کر دیے ہیں اس سے طرز بود و ماند میں ناہمواری پیدا ہوئی ہے، کچھ عیوب و اسقام وسائل کی افراط سے اور کچھ ان کی تفریط سے پیدا ہوتے ہیں، اسلام کا نظریۂ طبی عمرانیات کسی غیر متوازن اور ناہموار معاشرہ کی حوصلہ افزائی نہیں کرتا۔

جسمانی صحت اسی وقت مکمل سمجھی جائے گی جب ذہن پوری طرح بالیدہ ہوا در ایک بالیدہ ذہن تعمیر پسند اور متوازن ہوگا وہ زندگی میں حقیقی مسرت اور مصنوعی مسرت کے فرق کو بھی جانتا ہوگا۔ اسلامی تعلیمات کا ارتکاز ہی ذہن کی نشوونما کرنے پر ہے۔ اسلام میں فرد کے لیے سب سے پہلی تاکید طہارت جسمانی کی ہے جو طہارت باطنی کا زینہ ہے۔ فقہ اسلامی کی کتابوں میں غسل و طہارت کے احکام پوری جزئیات کے ساتھ بیان ہوئے ہیں، ایک ایسے ملک (جزیرۃ العرب) میں جہاں بعض علاقوں میں پانی گوہر نایاب کا حکم رکھتا تھا، غسل و طہارت کے مسائل پر اتنا زور دینا خود اس پر دلالت کرتا ہے کہ اسلام ایک حکیمانہ تمدن کی بنیاد رکھ رہا ہے۔

طہارت جسمانی کے بعد نماز کی ظاہری شکل میں بھی جسم انسانی کے لیے ایسی بنیادی ورزش موجود ہے جو اس کے اعصابی تناؤ کو کم رکھنے میں معاون ہوتی ہے۔

روزہ کی طبی افادیت پر تو دلیلیں دینے کی ضرورت ہی نہیں۔ جدید علم طب بھی یہ تسلیم کرتا ہے کہ جسم کی سمیت کو زائل کرنے اور طبیعت مدبرۂ بدن کو توانائی پہنچانے کے لیے روزہ سے زیادہ مفید اور موثر کوئی اور عمل نہیں ہو سکتا۔ ماہ رمضان قمری

تقویم سے آتا ہے اس لیے ہر سال اس کا موسم اور درجۂ حرارت بھی بدلتا رہتا ہے اور ہر موسم کے منفی اثرات کا ازالہ اور جسم کا تنقیہ ممکن ہو جاتا ہے۔ روزہ کے احکام میں بڑی حکمت طبی ہی رکھی گئی ہے تاکہ معاشرہ صالح اور صحت مند رہے ورنہ ظاہر ہے کسی کے فاقہ کرنے سے اللہ تعالیٰ کو کوئی فائدہ نہیں ہو سکتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "أُغْزُوا تَغْنَمُوْا وَصُوْمُوْا تَصِحُّوْا (رواہُ الطبرانی) یعنی جہاد کرو تاکہ تم مالدار ہو جاؤ اور روزہ رکھو تاکہ تمہاری صحت بنی رہے۔

روزہ کی ابتدا کے لیے صبح صادق سے پہلے بیدار ہونا اور عام دنوں میں بھی نماز فجر کے لیے علی الصباح بیدار ہونا بھی طبی حکمت سے خالی نہیں ہے اور اس پر عمل کرنے والے ہی بنفشی شعاعوں (ULTRAVIOLET RAYS) سے تمتع حاصل کر سکتے ہیں۔ سحر خیزی کی تاکید میں جو کچھ قرآن کریم اور احادیث میں وارد ہوا ہے اس کو ہم اسلام کے نظریۂ طبی عمرانیات کی روشنی میں بھی مطالعہ کر سکتے ہیں

سلسلۂ حکمائے اسلام (جلد اول و دوم)

از مولانا عبد السلام ندویؒ

سلسلہ حکمائے اسلام کی دونوں جلدوں میں دوسری صدی سے لیکر خاندان خیرآباد و فرنگی محل تک کے تمام مشہور مسلمان فلاسفہ کے حالات اور انکے فلسفہ پر تبصرہ کیا گیا ہے، پہلی جلد پانچویں صدی ہجری تک کے حکما کے حالات پر مشتمل ہے اور دوسری جلد میں اسکے بعد کے دور کے حکما و فلاسفہ کے حالات درج ہیں، پہلی جلد کے شروع میں ایک مقدمہ ہے جس میں یونانی اور اسلامی فلسفہ کی مختصر سرگذشت تحریر کی گئی ہے، کتاب کے مطالعہ سے فلسفہ و حکمت کے ذریعہ مذہب کی تائید و حمایت اور اسلام کی جو خدمات انجام دی گئی ہیں انکا اندازہ ہوگا۔

قیمت جلد اول ۵۰ روپیے، جلد دوم ۴۰ روپیے۔

اوراق متفرقہ در حدوث علم کلام

از جناب انور شاہ صاحب علی گڑھ

اس عنوان سے مولانا آزاد لائبریری کے شعبۂ مخطوطات میں ایک رسالہ ہے۔ اس کا نمبر حوالہ یونیورسٹی کلکشن اردو مخطوطات نمبر ۲۸۴ ہے۔ مصنف کا نام رسالہ کے متن کتاب میں تو کہیں مرقوم نہیں ہے۔ نہ رسالہ کے آخر میں کوئی ترقیمہ ہے جس سے اس کا پتہ چل سکے۔ لیکن فہرست مخطوطات میں محمد رضا دیا ہوا ہے۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ مولانا سید محمد رضا ترمذی کی تصنیف ہے ان کا وطن قنوج ضلع فرخ آباد تھا۔ وہ اور ان کے بھائی مولانا سید علی نقی صاحب مدرس کیننگ کالج لکھنؤ اپنے وقت کے ممتاز مدرسین میں تھے۔ مصنف شمس العلماء مفتی سید محمد عباس (م ۱۳۰۶ھ) کے ارشد تلامذہ میں تھے، اس مجموعہ کے علاوہ ان کی مزید تصنیفات کے نام حسب ذیل ہیں۔

(۱) زینۃ المجالس (۲) در نجف (۳) روضۃ الادب (۴) کشف النزاھیہ شرح زیارت ناحیہ (۵) شرح زیارت مضجعہ۔

زیر نظر مجموعہ میں حسب ذیل رسائل شامل ہیں۔

(۱) اوراق متفرقہ در حدوث علم کلام (۲) رسالہ بنیاد اسلام۔ (۳) جواب امہات المومنین (۴) رسالہ در ابطال در عقد ام کلثوم۔

اوراق متفرقہ در حدوث علم کلام پندرہ ۱۵ صفحات پر مشتمل ہے ہر صفحہ میں نو ۹ سطریں ہیں۔ اس مخطوطہ کا سائز ۵ × ۱۰ و ۷ × ۷ ہے اور تحریر کا سائز ۵ × ۸ و ۵ × ۵ ہے۔ سن تصنیف و کتابت بھی معلوم نہیں، البتہ مصنف نے ایک جگہ غفران مآب کی عماد الاسلام" کے بارے میں لکھا ہے کہ:

"جو بالفعل چھاپہ ہو رہی ہے"۔

اور چونکہ عماد الاسلام کا سنہ طباعت ۱۲۷۰ھ ہے۔ اس وجہ سے اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ اس رسالہ کا سن تصنیف نیز سن کتابت بھی تقریباً یہی ہوگا۔

رسالہ کا موضوع جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے علم کلام کی ابتدا و ارتقاء کی تفصیل ہے۔ بدقسمتی سے ہماری نئی نسل کا رشتہ اپنے ماضی سے اس درجہ منقطع ہو چکا ہے کہ اپنے اسلاف کی جگر کاویاں اس کے لیے بھولی بسری داستانیں بن چکی ہیں۔ اس لیے وہ علم کلام کی حقیقت سے بالکل ہی ناآشنا ہے اور جو لوگ اس سے کسی قدر واقف ہیں، ان کا اشتغال محض فضول اور لایعنی بحثوں سے رہ گیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ علم اسلامی ثقافت کا شاندار کارنامہ تھا۔ کیونکہ اس کا مقصد دینی تعلیمات کی عقلی توجیہ تھا۔ جیسا کہ اس رسالہ کے مصنف نے لکھا ہے:

"ہر علم کا شرف موضوع علم کے شرف پر مبنی ہوتا ہے، علم کلام کا موضوع نوامیس شرعیہ ہیں، جن کا پورا پورا تعلق نفوس بشریہ سے ہے، جو اشرف مخلوقات ہیں، جس طرح علم طب کا موضوع ابدان بشری ہیں۔ اس بنا پر صناعت طب کا شرف اس کے موضوع کی شرافت کی وجہ سے ہے۔ علم کلام کا موضوع نفوس بشری کے امراض کا علاج و تداوی ہے"۔

ظاہر ہے جب اصل علم ہی کی حقیقت معلوم نہ ہو تو پھر اس کے آغاز و ارتقا کا حال کیسے معلوم ہو۔ علاوہ ازیں اس سے بہت ہی کم تعرض کیا گیا ہے۔ قدیم عربی کتابوں میں متکلمین کے تذکرے ضرور ملتے ہیں، مگر علم کلام کا کوئی منظم جائزہ نہیں ملتا۔ صرف اس فن کی بعض مطولات اور تاریخ کی کتابوں میں جستہ جستہ حوالے ملتے ہیں۔ مگر انہیں مربوط کرنے کی کوشش نہیں کی گئی۔ اس موضوع پر یورپی مستشرقین کی "تحقیقات انیقہ" کا ذکر نہ کرنا ہی بہتر ہے۔

اردو زبان میں علم کلام کی پیدائش اور اس کے تدریجی ارتقا پر باقاعدہ کتاب کی تصنیف کا شرف اولیت مولانا شبلی نعمانی کو پہونچتا ہے۔ ہمارے زمانہ میں مولانا شبیر احمد خاں غوری نے اس موضوع پر بڑے تحقیقی مقالے لکھے جو برصغیر کے مختلف رسائل و جرائد معارف اعظم گڈھ، برہان دہلی، ثقافت لاہور، فکر و نظر اسلام آباد، اسلام اور عصر جدید دہلی، میں چھپے لیکن ان میں جس تحقیق و تدقیق سے کام لیا ہے اس سے اس فن کے طلبہ و ماہرین ہی مستفید ہو سکتے ہیں۔ عام لوگوں کے لیے یہ زیادہ مفید نہیں ہیں۔

پیش نظر رسالہ کے مصنف نے بڑے سلجھے ہوئے انداز میں اس موضوع پر بحث کی ہے۔ علم کلام میں بعض متنازع فیہ مسائل ایسے ہیں جہاں لکھنے والے کے لیے اپنے جذبات کو قابو میں رکھنا مشکل ہو جاتا ہے۔ مثلاً مسئلہ خلافت جس کی نزاع نے چودہ سو سال سے امت کو دو متحارب فرقوں میں تقسیم کر رکھا ہے۔ جن کے مفسدہ سے بیزار ہو کر مولانا روم فرماتے ہیں:

سرّ حق کے بر تو گردد منجلی
اے گرفتار ابوبکر و علی

اور پھر اسی سلسلہ میں پہلے تین خلفائے ثلٰثہ کی خلافت کی صحت و عدم صحت کی نزاع آتی ہے۔ مگر مصنف نے جس خوش اسلوبی سے اس مسئلہ کو سلجھایا ہے اسے دیکھکر کہنا پڑتا ہے کہ ع این کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے فوراً بعد ایک بڑی جماعت کا سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہو کر استحقاق خلافت کے مسئلہ پر بحث و مباحثہ کرنا جبکہ ایک دوسری جماعت کے ارکان سرور کائنات کی تجہیز و تکفین کے فریضہ کی ادائیگی میں منہمک تھے اس کے متعلق مصنف رقمطراز ہیں:۔

"جب سنہ ۱۱ھ میں دور نبوت کا ختم ہوا اور آفتاب رسالت افق وصال حقیقی الٰہی میں غروب فرما گیا، ابھی نوبت غسل و کفن آنحضرتؐ کی نہیں آئی تھی کہ علم خلافت اسلام کا سقیفہ بنی ساعدہ میں (جو ندوہ تھا انصار کا) سربلند ہوا۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے اعلان کو ایک اثنا عشری صاحب قلم کا یہ لکھنا کہ "علم خلافت اسلام کا .... سربلند ہوا"۔ اسکی سلامت روی کی دلیل ہے اور اس سے زیادہ پہلے تین خلفائے راشدین کے دور خلافت کو یہ کہنا کہ:۔

"سنہ ۱۱ھ سے سنہ ۳۵ھ تک برابر چوبیس سال اس کا پھریرا اور پرچم دست بدست از خلافت اول تا خلافت سوم عالم کے اکناف میں لہرایا گیا"۔

مصنف کے کمال بے تعصبی کا مظہر ہے۔

اس رسالے کی ابتدا اس طرح سے ہوتی ہے:۔

"دین اسلام دین برحق ہے۔ جس کی بنیاد عقل و نقل پر ہے۔ اس کی اصول و فروع

اور اس کی مسائل و احکام سب کے سب مبنی عقل و نقل پر ہیں"

آگے چل کر وہ کفار کی سختیوں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مکہ سے ہجرت کے سلسلہ میں تحریر کرتے ہیں۔

"اہل طائف نے اہل مکہ سے زیادہ سختیاں کیں مجروح کیا۔ جفاؤں کے ساتھ طائف سے نکلوا دیا۔ پھر مکہ میں آئے۔ بعد چندی اہل مکہ کو آمادہ قتل دیکھ کر مدینہ کو ہجرت کی۔ سال اول ہجرت ساتھ خیر و عافیت کے گذرا۔ سال دوم ہجرت سے جنگ و جدال و حرب و قتال شروع ہو گیا۔ متواتر غزوات و سرایا کی نوبت آئی۔ سال نو ہجری تک فتوحات کی بدولت اسلام نے نمودار ترقی کی۔ مورخین نے ترقی کی حد یہ لکھی ہے کہ آنحضرت نے نو برس کے عرصہ میں ہدایت کی فرمائیں علاوہ شاہ حبش و ہند وغیرہ کے اپنے دو ہمسایہ شہنشاہ قیصر روم و ایران کے نام نافذ کیے۔ جنکی حدود ممالک شاہنشاہی حدود عرب سے ملی ہوئی تھی اور ایک ذرہ بھر بھی ان دونوں کے افواج قاہرہ کا خیال نہ کیا"

آگے چل کر خلافت بنی امیہ و بنی عباس کے دور میں علوم و حکمت میں جو ترقیاں ہوئیں ان پر طائرانہ نظر ڈالتے ہوئے تحریر کرتے ہیں:۔

"دولت بنی امیہ و بنی عباس یکی بعد دیگری مستحکم ہوئے اور ہر امر میں مسلمانوں نے ترقی شروع کی خالد بن معاویہ بن ابی سفیان نے پہلے پہل حکمت فلاسفہ یونان کا ترجمہ عربی زبان یعنی عبری زبان سے شروع ہو گیا اور اس حکمت کی براہین قیاسی اور دلائل جدلی اہل اسلام کو پسند آنے لگی تھی۔ زیادہ تر دولت بنی عباس میں کتب حکمیہ کا ترجمہ ہوا۔ مقاصد نظریات فلسفہ کی بدولت مسلمانوں میں اوہام و شکوک

معارف ربانی اور حقائق ایمانی میں بکثرت پیدا ہوئے"

علم کلام میں جب مسلمانوں کی دلچسپی بڑھی اور انھوں نے اس میں کمال پیدا کیا تو بہت سے طبقات پیدا ہوئے۔ لکھتے ہیں:۔

"علم کلام اہل اسلام کی ترقی کا یادگار ہے۔ ہر ایک علم کا شرف موضوع علم کی شرافت سے ہوتا ہے۔ موضوع علم کلام نوامیس شرعیہ الہیہ ہیں اور غایت وضع علم کلام حفاظت اوضاع و اصول و فروع دین اسلام ہیں اور مسائل اس کی ضروریات دین اور احکام شرع متین ہیں۔ اس کا موضوع اور غایت وضع اور اس کی اصول و فروع اور اوس مسائل مغائر اور مخالف حکمت فلاسفہ مشائین ہیں۔ اسلام میں علم کلام مقابل حکمت مشائین کے وضع اور ایجاد ہوا ہے۔ اس علم کے واضعین نے کتب رد میں حکمت مشائین کے تصنیف کی ہیں اور نام انکا تہافتہ الفلاسفہ رکھا ہے۔ خیالات فلاسفہ کا تہافت دلایل فلسفی اور براہین حد سے کیا ہے۔ فلسفہ مجموعہ ہے خیالات حکمار فلاسفہ کا جن کے معلم عقل ہے جس میں خطا ممکن الوقوع ہے اور حکمار الٰہیہ کا علم خالق عقول عشرہ ہے جو بالذات علیم حکیم ہے"

ان فرقوں کے باہمی خیالات کے تضاد نے عجیب فتنہ کھڑا کر دیا اور ہر گروہ نے خود کو دوسرے پر فضیلت دیتے ہوئے اپنے عقائد اور نظریات کو کامل و اکمل خیال کرنا شروع کر دیا۔ مصنف لکھتے ہیں:۔

"سوفسطائیہ سے زیادہ بی عقلی کی دلیل ہے۔ جو محسوس و معقول کے قائل نہیں ہیں۔ علم تصوف یہ علم مقابل حکمت اشراقین اسلام میں وضع ہوا ہے۔ موجد حکمت اشراق افلاطون الٰہی ہے۔ اس حکیم نامور نے خیال کیا جاتا ہے کہ حکمائے ہند سے جنکو

براہمہ کہتے ہیں (براہمہ جمع برہمن ہے جو پنڈت کہلاتے ہیں) اور موحد جو علم چوک کے ہیں یہ علم حاصل کیا اور اس کا نام حکمت اشراق رکھا اور اہل اسلام نے علم تصوف کہا ہے۔ اس علم کی مذمت عقلاً و نقلاً ثابت ہے۔ اس کی غایتِ وضع وحدتِ موجود ہے اور موضوع اس کا ذات مقدس واجب الوجود ہے اس کا حلول اور اتحاد ممکن الوجود سے وحدت موجود ہے۔ شہاب الدین مقتول سہروردی مترجم اور موحد حکمت اشراق ہیں اس حکمت اشراقی نے اولیاء اللہ کا گروہ اسلام میں ظاہر کر دیا ہے۔"

آگے چل کر علم کلام کے سلسلہ میں جو کچھ غفران مآب نے کہا ہے ان کی تائید اور انکے قول کو حتمی مان کر ان کے سلسلہ میں تحریر کرتے ہیں :-

"حضرت غفران مآب حجۃ الاسلام اعلی اللہ مقامہ نے کتاب عماد الاسلام میں جو بالفعل چھاپہ ہو رہی ہے اس میں محققانہ طور سے ثابت کر دیا ہے کہ علم کلام ممدوح و مقبول ایمہ اسلام علیہ السلام تھا اور بہر کیف علم کلام کی دلائل و براہین مرکب ہوتی ہیں۔ مقدمات یقینیات اور مسلمات اور مشہورات سے جتنے مقاصد و مطالب و مسایل کلامیہ ثابت کی جاتی ہیں۔"

علم کلام کی ابتدا کے بارے میں کہتے ہیں :-

"کتب سے ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ جب اسلام میں فلاسفہ کی حکمت شایع ذائع ہوئی اور اس کا خمذاب اثر نوامیس الہامی اور احکام الٰہی پر پڑنے لگا حامیان دین اسلام کے ذی عقل گروہ نے علم کلام کو ایجاد کیا۔"

معتزلہ کی حقیقت اور ان کے عقائد کے بارے میں بیان کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں :-

"منجملہ ان تلامذہ کے واصل بن عطا تھا۔ ایک دن واصل نے حسن بصری سے سوال کیا کہ مرتکب کبیرہ کا نہ مومن ہے نہ کافر۔ ضرور اس کے لیے ایک درجہ ہوگا درمیان درجات مومن اور کافر کے۔ کیونکہ مومن ہونا مدح وصف ہے اور کافر مستحق مدح نہیں ہے۔ پس ارتکاب کرنے والا گناہان کبیرہ کا نہ مومن ہو سکتا ہے اور نہ وہ بوجہ اقرار شہادتین (بغیر کلمہ توحید و رسالت) اور سائر اعمال خیر کافر کہا جا سکتا ہے۔ اگر ایسا شخص بلا توبہ و انابت مر جاوے جہنم میں ہمیشہ رہے گا۔ اس لیے کہ آخرت میں دو فریق ہونگے۔ ایک فریق بہشت میں ہوگا اور دوسرا دوزخ میں ہوگا مگر ساتھ تخفیفِ عذاب پس اس کا مقام بالاتر مقام کفار سے ہوگا۔ . . . اے واصل ہم سے تو اعتزال اور گوشہ نشینی اختیار کر۔ اس وقت سے واصل نے اسی مسجد کے دوسرے ستون کے پاس جداگانہ درس و تدریس کا سلسلہ شروع کر دیا اور شاگرد و استاد میں مخالفت کا ہنگامہ ترقی پذیر ہوا اور تصنیف کتب اور تدوین اصول و قوانین کی نوبت آئی اور انہیں اصول اور قوانین کا نام علم کلام رکھا گیا اور واصل اور پیروان واصل کو معتزلہ کا لقب ملا۔"

آگے اشاعرہ اور ان کے مذہب اور عقائد کا ذکر تفصیل کے ساتھ ان الفاظ میں کرتے ہیں :-

"تین بھائیوں میں ایک ان میں سے مطیع و فرمانبردار اور دوسرا عاصی اور گنہگار اور تیسرا صغیر اور کمسن مرا۔ کہا فرمانبردار ساتھ بہشت کے مثاب ہوگا اور عاصی ساتھ آتش دوزخ کے معذّب ہوگا اور صغیر نہ مثاب نہ معذب ہوگا۔ اشعری نے کہا کہ اگر صغیر و نابالغ خدا سے کہے کہ اے خدا اگر تو مجھ کو باقی رکھتا یہاں تک کہ میں بڑا ہوتا۔ ساتھ تیرے میں ایمان لاتا اور تیرا اطاعت کرتا اور بہشت میں داخل

ہوتا۔ اس وقت خدا کیا جواب دے گا جبائی نے کہا کہ خدا کہے گا کہ میں بڑا جاننے والا ہوں تجھ سے۔ اگر تو بالغ ہوتا تو البتہ میرا عصیان کرتا اور داخل دوزخ ہوتا۔ اشعری نے کہا کہ اگر دوسرا بھائی کہے کہ اے خدا تو نے کم سنی میں کیوں مار ڈالا تا کہ میں تیری نافرمانی نہیں کرتا تو خدا جواب دے گا جبائی چپ ہو گیا۔ اشعری نے ترک مذہب اعتزال کیا۔ مورخین نے کہا ہے کہ اشعری نے جداگانہ مذہب قائم کیا اور نام مذہب کا اشعریت ہوا۔"

حضور اکرمؐ نے فرق اسلام کی کثرت کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ امت تہتر[۷۳] فرقوں میں بٹ جائے گی۔ اس کے متعلق لکھتے ہیں:۔

"ایک اہل سنت والجماعت دوسرا شیعہ تیسرا معتزلہ چوتھا اشاعرہ رفتہ رفتہ تہتر[۷۳] فرقے پیدا ہو گئے اور خوارج بھی جن کو مارقین کا لقب ملا تھا مع ناکثین و قاسطین کہ اول صدی میں ظاہر ہوئے جملہ سات فرقے اسلام میں پیدا ہو گئے اور نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرقہ قدریہ کے متعلق پیشین گوئی ساتھ مذمت کے فرمائی ہے اور ارشاد کیا ہے کہ مجوس اس امت کا فرقہ قدریہ ہے۔ شرح مواقف میں ہے۔ قیل القدریہ ہم المعتزلہ لاستنادافعالھم الی قدرتھم۔ (کہا گیا ہے کہ قدریہ معتزلہ میں استناد افعال عباد طرف قدرت عباد کے کرتے ہیں) اور فرقہ جبریہ استناد افعال عباد حق تعالیٰ کی جانب کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بندہ مجبور ہے۔ خیر و شر خدا کی جانب سے ہے۔ جس طرح معتزلہ کہتے ہیں کہ بندہ فاعل مختار ہے۔ اس جبریہ فرقہ کی مذمت کی۔ پس معتقدات معتزلہ قدریہ اور اشاعرہ جبریہ سراسر خلاف عقل ہیں۔ معتزلہ مفوضہ کا یہ مقولہ کہ عباد کو

فاعل مختار پایا کہ امور خیر و شر تفویض کر دی ہیں۔ قادر مطلق کا بے کار اور معطل ہونا ثابت کرتا ہے اور مقولہ اشاعرہ جبریہ سے خدا کا ظالم ہونا ثابت ہوتا ہے۔ محققین اسلام نے اس اختلاف بے عقل کا فیصلہ بدین تفصیل کیا ہے۔ لا جبر و لا تفویض بل امر بین امرین۔ (نہ جبر ہے نہ تفویض ہے بلکہ امر درمیان میں جبر تفویض کے ہے) جس سے مراد ان کی یہ ہے کہ افعال عباد در بندہ مخلوق عباد میں بے واسطہ اور مخلوق خدا میں بواسطہ مانند سائر موجودات عالم کی از روئے نظر و بصائر اسباب موجودات پس وہ اسباب موت و حیات و رزق وغیرہ وغیرہ ہیں جو بواسطہ خالق ہوتے ہیں۔"

اس رسالے میں مصنف نے جابجا اپنے خیالات اور عقائد بھی پیش کیے ہیں اور اسلامی فرقوں خصوصاً معتزلہ اور اشاعرہ کے عقائد تفصیل سے بیان کیے ہیں۔ جس سے مصنف کی نظر کی گہرائی اور گیرائی کا پتہ چلتا ہے۔ گو رسالے کی زبان قدیم و متروک اور بیان میں بھی کسی قدر بے ترتیبی ہے تاہم اس کی علمی اہمیت ہے۔

الکلام

علامہ شبلیؒ کی یہ مشہور تصنیف ہے جس میں عقلی دلائل سے مذہب کو فلسفہ کے مقابلہ میں ثابت کیا ہے اور ملاحدہ اور منکرین کے دلائل کا رد کیا ہے اور عقائد و اصول اسلامی کی فلسفیانہ تشریح کی ہے۔ اس حصہ کی قیمت ۵۰ روپے ہے۔

اس کا پہلا حصہ جو علم الکلام کے نام سے موسوم ہے اور اس میں مسلمانوں کے علم کلام کی تاریخ اس کی عہد بعہد کی ترقیاں اور علمائے متکلمین کے نظریات اور مسائل پر بحث کی گئی ہے، اس کا نیا ایڈیشن جلد چھپ جائیگا۔

مطبوعات جدیدہ

قرآن فہمی آسان راستہ (حصہ دوم): مرتبہ ڈاکٹر حسن الدین احمد، تقطیع متوسط، کاغذ، کتابت و طباعت بہتر، صفحات ۱۰۸، قیمت ۱۵ روپیے، پتہ: عزیز باغ، عزیز جنگ روڈ، سلطانپورہ، حیدرآباد۔

ڈاکٹر حسن الدین احمد آئی۔ اے۔ ایس اردو کے اچھے مصنف و مترجم ہیں، اعلیٰ سرکاری عہدہ پر فائز رہنے کے باوجود انھوں نے علم و فن سے بھی اشتغال قائم رکھا اور متعدد مفید کتابیں لکھیں، ملازمت سے سبکدوش ہونے کے بعد وہ قرآن مجید کے مطالعہ و تحقیق کا کام انجام دے رہے ہیں، ان کی کتاب قرآن فہمی (حصہ اول) کا تذکرہ ان صفحات میں پہلے ہو چکا ہے، اب اس کا یہ دوسرا حصہ شایع ہوا ہے، اس میں اصلاً قرآن مجید کی اصطلاحات و الفاظ کی وضاحت کی گئی ہے، پہلے ۱۳ اصطلاحات اللہ، ایمان اور ملائکہ وغیرہ کی مختصر تشریح کی ہے پھر ۵۶ الفاظ کی وضاحت کی گئی ہے جیسے طاعت، جنت، حکمت روح اور شیطان وغیرہ، آخر میں قرآن مجید کے منتخب جواہر پارے ترجمہ کے ساتھ دیے گئے ہیں، شروع میں ایک مقدمہ ہے اس میں قرآن مجید کی حفاظت، صوتی آہنگ، اصطلاحات اور ضرب الامثال وغیرہ پر اچھی بحث کی ہے مصنف کی تمام باتوں سے چاہے اتفاق نہ کیا جائے تاہم انھوں نے اپنے انداز میں قرآن مجید کی ایک مفید خدمت انجام دی ہے جس سے قرآن فہمی کی راہ ہموار ہوگی، آسان زبان اور سہل پیرایہ میں ہونے کی وجہ سے اس کتاب سے ہر مذاق و استعداد کے لوگ فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

"ض"

ادبی اور لسانی تحقیق، اصول اور طریقہ کار، از پروفیسر عبدالستار دلوی، متوسط تقطیع، عمدہ کاغذ اور کتابت و طباعت، صفحات ۲۵۶، قیمت ۴۰ روپیے، پتہ: مکتبہ جامعہ لمٹیڈ، جامعہ نگر، نئی دہلی۔

اردو زبان و ادب میں تحقیق و خصوصی مطالعہ کی رفتار اطمینان بخش ہے اور رطب و یابس کے باوجود اس کا مجموعی سرمایہ کم نہیں ہے اس فن کے ماہرین نے وقتاً فوقتاً تحقیقی کام انجام دینے والوں کے لیے جو رہبر اصول و ضوابط مرتب کیے ہیں ضرورت تھی کہ ان کو یکجا کر کے شایع کیا جاتا، یہ کتاب اسی غرض سے مرتب کی گئی ہے، اس میں لائق مرتب نے ایسے سترہ ۱۷ مضامین کا انتخاب کیا ہے جن میں تحقیق کے اصول و طریقہ کار، حوالہ، صحت متن، مواد کی فراہمی، کتب خانہ کا استعمال، ببلیوگرافی وغیرہ کے علاوہ آزادی سے پہلے اور بعد کی تحقیق وغیرہ پر عمدہ بحث ہے، خاص طور پر قاضی عبدالودود، ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں اور ڈاکٹر سید عبداللہ اور خود فاضل مولف کے دو مضامین نہایت مفید اور کارآمد ہیں، یہ قابل قدر کتاب بمبئی یونیورسٹی کے شعبہ اردو کی پیشکش ہے، دیباچہ میں اس شعبہ کی اور کارگزاریوں کا بھی ذکر ہے، اس کی اشاعت پر فاضل مرتب کے ساتھ یہ شعبہ بھی مبارکباد کا مستحق ہے۔

نگارشات از جناب مولانا عبداللہ عباس ندوی، متوسط تقطیع، بہترین کاغذ اور کتابت و طباعت، مجلد مع خوبصورت گرد پوش، صفحات ۳۲۰، قیمت ۵۰ روپیے، پتہ: مجلس علمی، بی ۱۲۱، ذاکر باغ، اوکھلا روڈ، نئی دہلی ۲۵۔

یہ کتاب مولانا عبداللہ عباس ندوی کے ان مضامین و مقالات کا مجموعہ ہے جو ان کی ادارت میں شایع ہونے والے رسالہ ' ذکر و فکر ' میں شایع ہوتے رہے ہیں۔

مولانا کی تحریر کا خاص جوہر فکر کی لطافت و پاکیزگی اور ذکر کی حلاوت و رعنائی ہے، یہ جوہر زیر نظر مجموعہ میں اور نمایاں ہے، مضامین کو علمی و تحقیقی مقالات، اسلامی ادب، عالم اسلام، افکار و احساسات اور وفیات کے تحت تقسیم کیا گیا ہے، قوس قزح کے رنگوں کی مانند ان متنوع تحریروں میں مولانا ابو الکلام آزاد کی تفسیر، تفسیر ماجدی اور مدیح خیر المرسلین محسن کاکوروی کا مطالعہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں، مولانا آزاد کی تفسیر کے متعلق اگر ایک طرف انھوں نے یہ لکھا ہے کہ "زبان و بیان اور استدلال کی منطقیت کے لحاظ سے اس درجہ کی ہے کہ کوئی اردو تفسیر و ترجمہ (شاہ عبد القادر دہلویؒ اور مولانا تھانویؒ کے علاوہ) اس کی ہمسری نہیں کر سکتی" تو دوسری طرف انھوں نے مولانا مرحوم کے تصور الٰہ اور وحدت ادیان کے متعلق ان کے مابہ النزاع مسلک کی غلطی بھی ظاہر کی ہے۔ کتاب ظاہری حسن و نفاست سے بھی پوری طرح آراستہ ہے۔

جوش ملسیانی مع انتخاب کلام

از جناب کالیداس گپتا رضا، بہترین کاغذ اور عمدہ کتابت و طباعت، مجلد مع گرد پوش، صفحات ۱۰۵، قیمت ۹۵ روپے، پتہ: ساکار پبلشرز پرائیویٹ لمیٹڈ، جولی بھون نمبر ۱۰، انیو میرین لائینز، بمبئی ۴۰۰۰۲۰۔

علم و تحقیق کے گلشن میں جناب کالیداس رضا گپتا برابر گلہائے رنگا رنگ کا اضافہ کر رہے ہیں، غالبیات ان کا خاص و محبوب موضوع ہے، چکبست اور جناب جوش ملسیانی پر بھی ان کے قلم سے کئی کتابیں نکل چکی ہیں، جوش ملسیانی محض ان کے استاذ ہی نہیں بلکہ ان کی نظر میں "وہ انیسویں اور بیسویں صدیوں کے اساتذہ کی آبرو اور ان کی اعلیٰ اقدار کے محافظ تھے، ان کا کلام، ان کی صاف، سادہ، نیک، مطمئن،

وضع دار اور ٹکسالی زندگی کا آئینہ دار ہے" اس لیے ایک لائق اور سعادت مند شاگرد کی طرح انھوں نے اپنے استاد کی یادوں کے چراغ روشن کیے ہیں اور بطور تبرک ان کی ایک تحریر، منتخب کلام اور بعض متفرق اور غیر مطبوعہ اشعار بھی شامل کیے ہیں، ایک مضمون میں فاضل مولف کے ابتدائی کلام پر جوش صاحب کی اصلاحوں کا ذکر ہے جو اہل فن کیلئے دلچسپ ہیں، عرصہ ہوا جوش ملسیانی کے شاگردوں پر ان کی اصلاحوں کے متعلق ایک کتاب 'آئینہ اصلاح' شایع ہوئی تھی، اس میں جناب رضا گپتا کا ذکر رہ گیا تھا، اس کتاب سے یہ کمی پوری ہوگئی، لائق مولف کا یہ خیال درست ہے کہ ابو الفصاحت پر داد تحقیق دینے والوں کے لیے یہ کتاب معاون ثابت ہوگی۔

مشورے اور گزارشیں

از جناب مولانا عبد الماجد دریابادیؒ، مرتب جناب نعیم الرحمٰن صدیقی، متوسط تقطیع، عمدہ کاغذ و کتابت و طباعت، مجلد مع گرد پوش، صفحات ۱۵۹، قیمت ۳۰ روپے، پتہ: صدق بک ایجنسی کچہری روڈ، لکھنؤ۔

مولانا عبد الماجد دریابادی کے مشہور جریدہ 'صدق' کا ایک مستقل کالم 'مشورے اور گزارشیں' بھی تھا اور یہ خود مولانا مرحوم کی نظر میں سب سے زیادہ پسندیدہ تھا، علمی و ادبی، دینی و سیاسی مسائل کے علاوہ قارئین صدق اپنے نجی معاملات اور خانگی الجھنوں کو بھی مدیر صدق کی خدمت میں پیش کرتے تھے، اس سلسلہ کے اصلاحی مربیانہ اور حکیمانہ و مخلصانہ مشوروں کو عام افادہ کی غرض سے صدق میں شایع بھی کیا جاتا تھا، یہ جواہر پارے صدق کی فائلوں میں بکھرے ہوئے تھے، خوشی ہے کہ ان کو یکجا کرنے کی صلاحیت مولانا کے پرنواسے کے حصہ میں آئی۔ انھوں نے سلیقہ سے مختلف عنوانوں کی لڑی میں حکمت و بصیرت کے ان موتیوں کو پرو دیا ہے۔

احسن الحدیث از جناب عزیز احمد صدیقی متوسط تقطیع، کاغذ اور کتابت و طباعت بہتر صفحات ۲۸۰، قیمت ۲۰ روپے، پتہ: مکتبہ جار الحق، بجے ۱۷/۱۴، ناظم آباد، کراچی ۱۸۔

یہ قرآن مجید کے ابتدائی دس پاروں کا اردو ترجمہ ہے جو اصل عربی عبارت کے بغیر ہے، اسکی نوعیت و مقصد کا اندازہ اس تحریر سے ہوتا ہے "شروع کے سو سالوں میں قرآن مجید مسلمانوں کے معاشی، معاشرتی، سیاسی و مذہبی، علمی و ادبی و سائنسی ضروریات کا کفیل تھا" مگر سو سال کے بعد "عرب مخلوط النسل ہوگئے، حکومت بظاہر انکے پاس رہی مگر اصل قیادت انکے ننھیال میں چلی گئی، یہود و مجوس عربی سیکھ کر عالم فاضل ہوگئے اور انہوں نے" علم تفسیر اور حدیث سازی کو فروغ دیا، علم تاویل، علم تجوید اور علوم اہل بیت ایجاد کیے تو عربوں کی کتاب محض مردے بخشوانے اور برکت کے فرشتے بلانے کے کام کی رہ گئی" آخر کتاب میں چند حواشی بصائر کے عنوان سے دیے گئے ہیں، ان سے بھی مصنف کے ذہن و فکر کی بے اعتدالی نمایاں ہے مثلاً "مسلمانوں نے تیس پاروں میں تقسیم کرکے مضامین کو بے ربط بنا دیا جیسے یہ سورۂ بقرہ ڈھائی پاروں میں بٹ گئی تو ہزار سال تک مسلمانوں کو معلوم نہ ہوسکا کہ اس میں گائے کا ذکر ہے یا بیل کا" ترجمہ کا وصف ملاحظہ ہو: الذین یقیمون الصلوۃ کا ترجمہ کیا ہے کہ "مل جل کر اس کی صلات کرتے ہیں"۔

خلیجی جنگ، تحلیل و تجزیہ از جناب ڈاکٹر محمد یونس نگرامی، متوسط تقطیع، عمدہ کاغذ اور کتابت و طباعت، صفحات ۱۶۰، قیمت درج نہیں، پتہ: مسلم انٹلیکچول فورم، سی ۲۰۷/۲۸ ڈیوڑھی آغا میر، لکھنؤ ۰۰۳-۲۲۶۔

سنہ ۹۰ء میں عراق و کویت کی آویزش نے عرب کے علاوہ اور ملکوں اور خاص طور پر ہندوستان میں بھی معرکہ آرائی کی صورت اختیار کرلی تھی، اسی زمانہ میں لکھنؤ کے ایک سمینار میں اس جنگ کے اسباب و عواقب کا سنجیدہ اور غیر جذباتی انداز میں جائزہ لیا گیا، اس میں چند عمدہ مقالات و خطبات بھی پیش کیے گئے جنکو اس سمینار کے کنوینر نے زیر نظر کتاب میں یکجا کردیا ہے، گو یہ تحریریں یک وقتی مسئلہ سے متعلق ہیں لیکن مسلمانوں کے سیاسی شعور کی بالیدگی کیلئے انکا مطالعہ آج بھی فائدہ سے خالی نہیں۔

ع۔ ص۔

سلسلۂ سیر الصحابہؓ

حصۂ اول (خلفائے راشدین) حاجی معین الدین ندوی: اس میں خلفائے راشدین کے ذاتی حالات و فضائل، مذہبی اور سیاسی کارناموں اور فتوحات کا بیان ہے۔ ۴۰/-

حصۂ دوم (مہاجرین۔ اول) حاجی معین الدین ندوی: اس میں حضرات عشرۂ مبشرہ، اکابر بنی ہاشم و قریش اور فتح مکہ سے پہلے اسلام لانے والے صحابۂ کرامؓ کے حالات اور ان کے فضائل کا بیان ہے ۴۵/-

حصۂ سوم (مہاجرین دوم) شاہ معین الدین احمد ندوی: اس میں بقیہ مہاجرین کرامؓ کے حالات و فضائل بیان کیے گئے ہیں۔

حصۂ چہارم (سیر الانصار اول) سعید انصاری: اس میں انصار کرام کی مستند سوانح عمریاں ان کے فضائل و کمالات مستند ذرائع بترتیب حروف تہجی لکھے گئے ہیں ۴۵/-

حصۂ پنجم (سیر الانصار دوم) سعید انصاری: اس میں بقیہ انصار کرام کے حالات و فضائل درج ہیں۔ ۳۵/-

حصۂ ششم شاہ معین الدین احمد ندوی: اس میں چار اہم صحابۂ کرامؓ، حضرات حسنینؓ، امیر معاویہؓ اور حضرت عبد اللہ ابن زبیرؓ کے حالات، ان کے مجاہدات اور باہمی سیاسی اختلافات بشمول واقعۂ کربلا درج ہیں۔ ۳۵/-

حصۂ ہفتم (اصاغر صحابہؓ) شاہ معین الدین احمد ندوی: اس میں ان صحابۂ کرام کا ذکر ہے، جو فتح مکہ کے بعد شرف بہ اسلام ہوئے یا اس سے پہلے اسلام لاچکے تھے مگر شرف ہجرت سے محروم رہے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں کمسن تھے۔ ۴۰/-

حصۂ ہشتم (سیر الصحابیاتؓ) سعید انصاری: اس میں آنحضرتؐ کی ازواج مطہرات و بنات طاہرات اور عام صحابیات کی سوانح حیات اور ان کے علمی اور اخلاقی کارنامے درج ہیں۔ ۲۵/-

حصۂ نہم (اسوۂ صحابۂ اول) عبد السلام ندوی: اس میں صحابۂ کرامؓ کے عقائد، عبادات، اخلاق اور معاشرت کی صحیح تصویر پیش کی گئی ہے۔ ۴۰/-

حصۂ دہم (اسوۂ صحابۂؓ دوم) عبد السلام ندوی: اس میں صحابۂ کرامؓ کے سیاسی، انتظامی اور علمی کارناموں کی تفصیل دی گئی ہے۔ ۴۵/-

حصۂ یازدہم (اسوۂ صحابیات) عبد السلام ندوی: اس میں صحابیات کے مذہبی، اخلاقی اور علمی کارناموں کو یکجا کردیا گیا ہے۔ ۱۵/-